

سلطنت خلافت

مؤلفاً

ڈاکٹر امیر حسن صدیقی بی اے ال بی (علیگ)



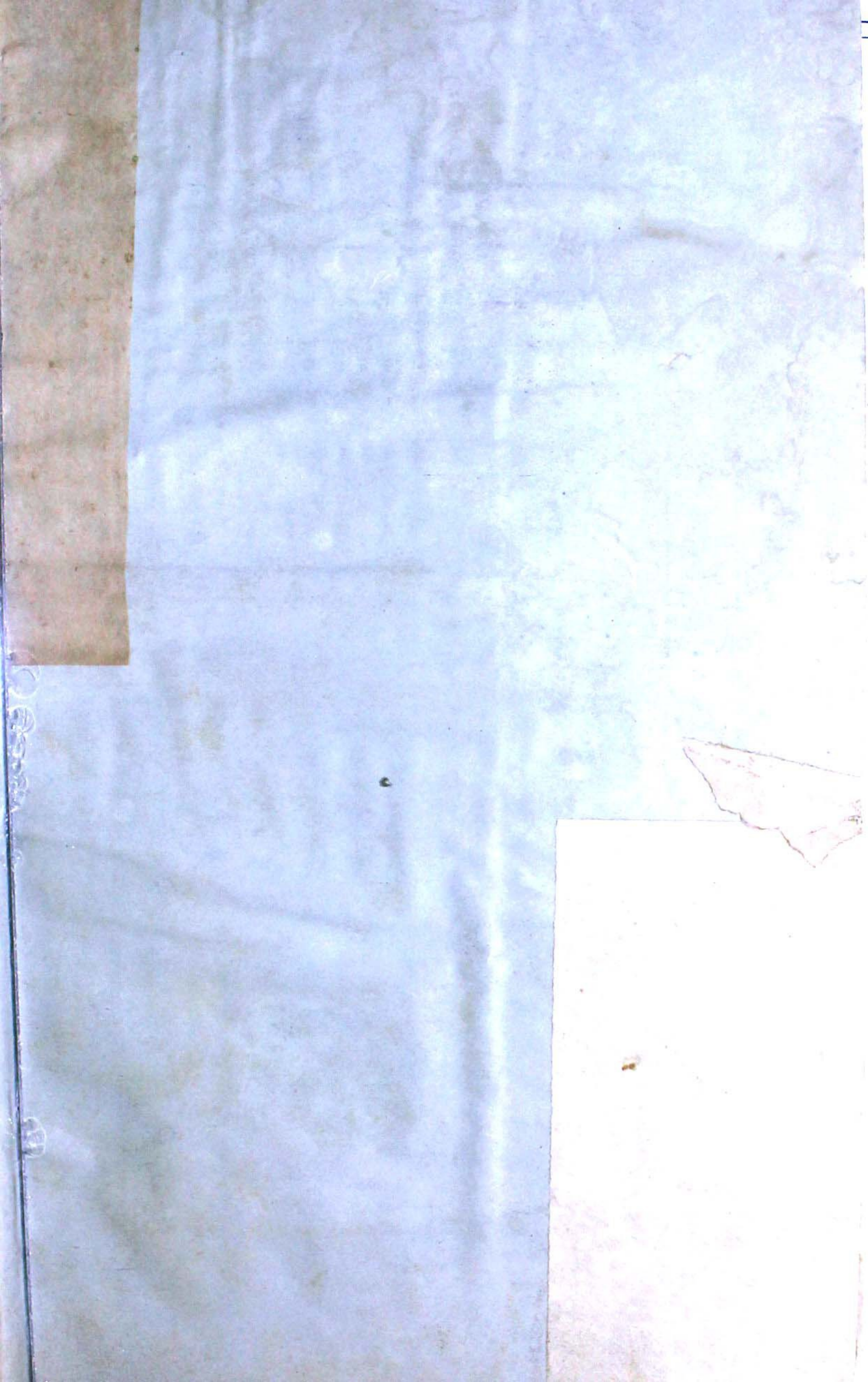
بی اے آنرز۔ پی ایچ۔ ڈی (لنڈن)

مترجملاً

سیطین احمد بی اے (علیگ)

باہتمام: مولوی مسعود علی ندوی

مطبوعہ معارف پریس عظیم گڑھ
۱۳۵۶ھ
۱۹۳۹ء



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

134969

پہلا باب

خلافتِ عباسیہ کا نقشہ تیسری صدی میں

اس امر کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے کہ آل بویہ کی حکومت قائم ہونے تک خلافت اور ایرانی ریاستوں کے مابین کیا تعلقات رہے، ضروری ہے کہ بغداد کی اس سیاسی حالت کا خاکہ پیش کر دیا جائے، جس نے خلافت کے منصب کو اپنے بلند مقام سے نیچے اتار کر محض رسمی ادارہ بنا دیا تھا،

جو عہد ہمارے زیر نظر ہے اس کی ابتداء متوکل کے دور (۲۳۲ تا ۲۴۶) سے ہوئی ہے، اس دور میں دو خصوصیات نمایان نظر آتی ہیں،

- ۱۔ معتزلہ عقائد کے خلاف ایک ردِ عمل شروع ہوتا ہے، اور حدودِ سیاسیات تک اس کے اثرات پہنچتے ہیں،

- ۲۔ ترکون کا اقتدار بڑھتا ہے اور اس کے باعث خلیفہ کی قوت ضعیف ہو جاتی ہے

خلیفہ متوکل پکاستی تھا، اس کے دور میں شرعی سختی کی طرف جو بازگشت ہوئی وہ ان
 معتزلہ عقائد کے خلاف ایک ردِ عمل تھا، جنکو مامون سے لے کر واثق تک عباسی خلفاء
 بزور پھیلاتے رہے، اب نتیجہ یہ ہوا کہ جس طرح مامون، معتزم اور واثق کے ہاتھوں خلق
 قرآن کے مسئلہ کے سبب سے اہل سنت کو تکلیفیں پہنچی تھیں اب متوکل کے ہاتھ سے
 اہل سنت کے مخالف فرقے تشدد کا شکار ہونے لگے، وقت اور حالات بھی اس وارو
 کے لئے سازگار تھے، ترکی سر و اردون کا عروج تھا، اور ان کی تنگ چینی اسی طرزِ عمل کو
 پسند کرتی تھی، عوام کا سلوک بھی ان لوگوں کے ساتھ سخت ہوتا تھا، جن کے عقائد میں
 آزادی کی طرف میلان نظر آتا تھا، آخر کار ایند اور عقوبت کی وہ پالیسی جو خصوصیت
 کے ساتھ اہل تشیع کے خلاف جاری تھی، یہود اور نصاریٰ کے خلاف بھی اُزار وہ قوانین
 کی شکل میں نمودار ہوئی، متوکل کو شیعی فرقہ سے اس درجہ نفرت ہو گئی تھی کہ ۵۲۳ھ تا ۵۴۰ھ
 میں اس نے اس مقبرہ اور اس کی تمام ملحقہ عمارتیں شہید کر دینے کا حکم صادر کر دیا، جو سبطِ رسول
 حسین بن علیؑ کی طرف منسوب تھا، ایک بار ایک شیعی کو حضرت ابو بکر، عمر، عائشہ اور حفصہ
 رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو سب و شتم کرنے پر درے مار کر ہلاک کر دینے کا حکم ہوا، اس حکم کی تعمیل
 منظر عام پر کی گئی، اور مضر و ب کی نعش بغیر نماز جنازہ کے جسد میں پھینک دی گئی،

۱۰ یوسف، اخبار بغداد، صفحہ ۱۰۴، ابن اثیر جلد ہفتم صفحہ ۹۸، مشور موضح طبری جس نے ۵۳۱ھ تا ۵۴۲ھ میں
 وفات پائی رات کے وقت اپنے مکان کے اندر دفن کیا گیا، کیونکہ عوام اناس ہجوم کر کے آگے، اور دن میں
 دفن کرنے کی اجازت اس بنا پر نہ دی کہ وہ رضی ہی نہیں بلکہ مرتد تھا، ۳۵ طبری جلد سوم صفحہ ۱۳۸۹،
 ۳۵ ایضاً صفحہ ۱۱۴۰، ابن اثیر جلد ہفتم صفحہ ۳۶ ۳۵ طبری جلد سوم صفحہ ۱۱۲۲

خليفة مامون اور اسکے جانشینوں کے ہمدین اہل سنت ایذا اٹھا چکے تھے، اب انہیں اقتدار حاصل تھا، اور انتقام لینا چاہتے تھے، انہوں نے ایک اصلاحی جماعت قائم کی اور گلی کوچوں میں گشت کرنے لگے، گھر گھر پہنچتے لوگوں کا مذہب تحقیق کرتے اور جس کے عقائد منحرف پاتے فوراً سزا دیتے، یہ واروگیر صرف شیعہ حضرات تک ہی محدود نہ تھی، بلکہ اس کے نیچے سے اور مسلم فرقے بھی جو فروعی اختلاف رکھتے تھے محفوظ نہ رہے، گبن کے بقول ان مصلحین نے خانگی زندگی کا عیش اور آرام تاراج کر ڈالا تھا، وہ نہ امیر پکھتے تھے نہ غریب، مکانوں میں گھس کر شرابین لٹھا دیتے تھے، چنگ اور باب توڑ دالتے تھے، مغنیوں کو مارتے تھے اور ہر خوشرو طفل کے ہم صحبتوں کو رسوا کن شکوک سے ذلیل کرتے تھے، خلیفہ رضی کے عہد تک (۲۲۲ھ - ۳۲۹ھ) یہ واروگیر یونہی جاری رہی، آخر رضی نے معاصی سے زیادہ اصلاح کو مذموم سمجھ کر حنبلیوں کے خلاف ایک فرمان جاری کیا،

اس بے رحم ایذا کو شہی نے اہل تشیع کی اس نفرت کو تازہ کر دیا جو ان کے قلوب میں عباسی حکومت کی طرف سے پوشیدہ تھی، قدرتی طور پر اختلافات اور بڑھے، اسی جی برائوں کہتا ہے کہ اس کی بدولت بعض نام نہاد مذہبی فیلسوفی فرقے بجائے معدوم ہونے کے اور تقویت پائے، اول الذکر قسم میں خصوصیت کے ساتھ قرطبی یا ایلی مذہب نے اشاعت

۱۔ لیوی، اخبار بغداد، صفحہ ۱۳۹، بعض مرتبہ شافعی لوگوں کو ڈنڈوں سے اتنا مارا گیا کہ دم بہ لب ہو گئے،
۲۔ گبن، سلطنت روم کا عروج و زوال، جلد ششم باب ۵۲ صفحہ ۶۲ واقعات منقول از ابن اثیر جلد ششم صفحات ۲۲۹ و ۲۳۰،
۳۔ لیوی، اخبار بغداد صفحات ۱۳۹-۱۵۰،

حاصل کی جس کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت کی ایک رقیب سلطنت شمالی افریقہ اور مصر
میں دولتِ فاطمیہ کے نام سے قائم ہو گئی، اسی طرح فلسفیانہ اختلاف کی شدت اس
جماعت کی بانی ہوئی جو انخوان الصفا کے نام سے مشہور ہے۔

زنگی بغاوت نے جو زیدی تحریک کا نتیجہ تھی، ثابت کر دیا کہ شیعیانِ علی کو علمِ بغاوت
بلند کرنے پر آمادہ کر دینا کس قدر آسان ہے، اور اس قسم کی کوشش کے لئے جنوبی عراق کے
مقامی حالات کس درجہ موافق ثابت ہوں گے، ابھی تک عباسیوں کو اس سے زیادہ
خطرناک بغاوت کا سامنا نہ ہوا تھا، تقریباً چودہ سال تک (۲۵۶-۲۶۰ء) یہ
۲۶۹ء-۲۸۳ء) خلفاء کو اس شورش نے خوف اور تشویش میں مبتلا رکھا، اور یہ وہ
زمانہ تھا کہ فارس کے صوبے سرکش ہو رہے تھے، قطعاً ممکن تھا کہ موق اور اس کے بیٹے
ابوالعباس کا قوی ہاتھ سرکش صفاریوں کو فنا کر دیتا، اور خلافت کا کھویا ہوا شکوہ و جدال
پھر قائم ہو جاتا، لیکن زنگیوں کی طویل اور سخت جان بغاوت نے صفاریوں کے خلافت
کا میاب نہ ہونے دیا،

یہ فتنہ جاری تھا کہ ۲۶۰ھ میں ایک اسمعیلی عبداللہ بن میمون القدرح نے ایک
نئی شیعہ تحریک شروع کر دی، اس کے اغراض و مقاصد زیادہ خطرناک اور اس کے عواقب
عباسی خلافت کے لئے کہیں زیادہ ہلک ثابت ہوئے، ۲۹۶ھ میں عبداللہ کے

۱۱۳۹ء براؤن تاریخ ادبیات ایران، جلد اول صفحہ ۳۳۹ء طبری جلد سوم صفحہ ۱۱۴۴ء ابن اثیر جلد ہفتم
صفحہ ۱۳۹ء، ۱۳۹ء براؤن تاریخ ادبیات ایران، جلد اول صفحہ ۳۹۴ء، منقول از فرست صفحہ ۸۷-۱۸۶

پوتے سعید بن حسین کو شمالی افریقہ سے حسبِ مراد کچھ اطلاعات پہنچیں، چنانچہ سعید افریقہ پہنچا اور بنو اعلب کی حکومت برباد کر کے فاطمی خلافت کی بنیاد ڈالنے میں کامیاب ہوا۔^{۳۵۶}
 ۶۹۶ء میں اس کی جماعت نے ایشیادون سے مصر بھی لے لیا، اس صورت سے شیعہ تحریک کو عباسی خلافت کو فنا نہ کر سکی مگر ایک حریف خلافت قائم کر دینے میں کامیاب ہو گئی، مقابلہ میں ایک دوسری خلافت کا وجود میں آجانا جس کے حدود میں مقامات مقدسہ بھی داخل تھے عباسی اقتدار کے لئے ضرب کاری تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ تنہا عباسیوں کو مذہبی قیادت کا جو اجارہ حاصل تھا جاتا رہا،

اس تحریک نے اسی پر قناعت نہ کی، خود عباسی قلمرو میں اس کے پسماندہ اثرات کام کرتے رہے، ایک شخص ہمدانی بن اشعث نے پھر اسماعیلی عقائد کی تبلیغ شروع کی ہمدان کو اہانہ قرمط کے لقب سے موسوم کیا جاتا تھا، اور اسی لقب سے لفظ قرمطی ماخوذ ہے، قرمطیوں نے الاحساء میں عباسی خلافت سے آزاد ایک ریاست قائم کر لی، اور ان کے مبلغین نے خراسان، شام اور یمن میں شورش انگیزی کے مستقل مرکز بنائے، قرمطی ایک سیاسی طاغون تھے جو عباسی مالک پر ہاتھ صاف کرتے، اور حاجیوں کے قافلے لوٹنے کیلئے ہر وقت مکر بستہ رہتے تھے، مکہ کی کھنڈی کے عہد میں (۲۸۹-۲۹۵ھ، ۹۰۲-۹۰۸ء) مکہ سے آنے والے حجاج کو متعدد مرتبہ انھوں نے پریشان کیا اور تاخت و تاراج کا یہ سلسلہ کبھی کبھی

۳۵۶ براؤن، تاریخ ادبیات ایران جلد اول صفحہ ۳۹۴، منقول از فرست صفحہ ۱۸۷-۱۸۶۔
 ۳۵۶ باسینیان، مضمون بر عنوان قرمطی، انسائیکلو پیڈیا آف اسلام،

جوار بغداد تک پہنچ گیا، یکے بعد دیگرے چند فتوحات حاصل کرنے کے بعد وہ شام پر قابض ہو گئے، اب اسلام کا مرکز زیادہ دور نہ رہا،

۵۳۱ھ میں انھوں نے خود مکہ پر حملہ کیا اور سنگِ اسود اٹھالے گئے جس سے مسلمانوں

میں بڑا ہیجان پھیل گیا، یہ مقدس پتھر بیس سال تک ان ہی کے قبضے میں رہا، دس سال بعد پھر اطلالین ملین کہ حجاج کے قافلوں پر قمری دست درازیاں کر رہے ہیں، ان کی خطرنا

تنگ و تار آخر تک ختم نہ ہوئی، اس خطرے نے خلفائے بغداد کو مسلسل مصروف رکھا جس کے باعث صوبہ داروں میں بغاوت کے جوہلے بڑھ گئے، چنانچہ بغداد کے زوال میں قمریوں

کا حصہ بھی کم نہ تھا،

اس عہد کی دوسری خصوصیت ترکی عروج ہے، یہ لوگ حالات کے اقتضائے

عباسی خلافت کے مالکِ مطلق بن گئے تھے، بری گھڑی تھی جس دن معتمد (۲۱۸-۲۲۷ھ)

نے فوج میں ترکی عنصر داخل کیا تھا، آخر ترکی سرداروں کے ظلم ہسرکشی

اور ان کی روز افزون تعداد سے ڈر کر ۲۲۱ھ میں مستقر خلافت بغداد سے سامرہ کو منتقل

کیا گیا، اس انتقال نے خلیفہ کی ذات کو اور بھی خطرے میں ڈال دیا، اب وہ اہل بغداد سے

دور، وحشی اور خود غرض سفاکوں کے نرغہ میں گھرا ہوا تھا، اس وقت یہ اندیشہ اور بھی زیادہ

قوی ہو گیا کہ ترکی اثر خلیفہ کو محکوم بنا کے رہے گا، سامرہ پہنچ کر ترکوں نے بہت آسانی کی

۱۷ ابن اثیر جلد ہفتم صفحہ ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹۹، ۱۶۰۰، ۱۶۰۱، ۱۶۰۲، ۱۶۰۳، ۱۶۰۴، ۱۶۰۵، ۱۶۰۶، ۱۶۰۷، ۱۶۰۸، ۱۶۰۹، ۱۶۱۰، ۱۶۱۱، ۱۶۱۲، ۱۶۱۳، ۱۶۱۴، ۱۶۱۵، ۱۶۱۶، ۱۶۱۷، ۱۶۱۸، ۱۶۱۹، ۱۶۲۰، ۱۶۲۱، ۱۶۲۲، ۱۶۲۳، ۱۶۲۴، ۱۶۲۵، ۱۶۲۶، ۱۶۲۷، ۱۶۲۸، ۱۶۲۹، ۱۶۳۰، ۱۶۳۱، ۱۶۳۲، ۱۶۳۳، ۱۶۳۴، ۱۶۳۵، ۱۶۳۶، ۱۶۳۷، ۱۶۳۸، ۱۶۳۹، ۱۶۴۰، ۱۶۴۱، ۱۶۴۲، ۱۶۴۳، ۱۶۴۴، ۱۶۴۵، ۱۶۴۶، ۱۶۴۷، ۱۶۴۸، ۱۶۴۹، ۱۶۵۰، ۱۶۵۱، ۱۶

خلیفہ گری کا منصب حاصل کر لیا، ہرنی تخت نشینی پر ان کے اختیارات میں اضافہ ہوا رہا
 معصوم نے جس فتنہ کا بیج بویا تھا اس کے تلخ ثمر متوکل کو چکھنا پڑے، مذہبی دار و گیر شروع کر کے
 متوکل نے رعایا کے اکثر طبقوں کو منحرف کر دیا تھا، اس کی سختی نے خود اس کے بیٹے کو ترکی
 غداروں کا شریکِ راز بنا دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ ۲۴۷ھ میں متوکل کو جان دینا پڑی، یہ سچ ہے
 کہ پدرکش فرزند سازش کے ثمرات سے مستمع ہونے کے لئے عرصہ تک زندہ نہ رہا، مگر اس
 فعل کے نتائج اس کے بعد آنے والوں کے لئے خطرناک ثابت ہوئے، یہ پہلا موقع
 تھا کہ ترکوں نے خلیفہ کی ذات پر ہاتھ ڈالا تھا، چنانچہ اس نظیر نے بہت سی ناروا کارروائیوں
 کا دروازہ کھول دیا، کسی کے سر پر تاج رکھا گیا، تو کسی کو معزول کیا گیا، بہت سی آنکھیں بھاری
 سے محروم ہوئیں، تو بہت سے خون ناحق بہائے گئے، خلیفہ کی ذات کو جس احترام کے ساتھ
 دیکھا جاتا تھا، اس کے حق میں یہ مثال ستم قاتل ثابت ہوئی، اب خلیفہ کے سامنے انتہائی
 ذلت کا سلوک ہونے لگا، الفخری کے مصنف نے ایک روایت نقل کی ہے جس سے
 ظاہر ہوتا ہے کہ ترکوں کو اس وقت خلفاء پر واقعی کتنا اقتدار حاصل ہو گیا تھا، وہ کہتا ہے
 جب معتز خلیفہ ہوا تو اہل دربار نے جمع ہو کر کسی نجومی کو بلایا اور دریافت کیا کہ خلیفہ کب تک
 زندہ اور مسند خلافت پر متمکن رہے گا، مجمع میں کوئی زندہ دل بھی موجود تھا، اس نے کہا میں
 اس کا جواب منجم سے بہتر دے سکتا ہوں، چنانچہ اس سے دریافت کیا گیا تو اس نے جواب

لے طبری - ۳۵۹-۱۴۶۰ء مگر طوطی کہ خلفاء کی نصیبیوں کے ساتھ منصب خلافت کو شریک نہ کرنا چاہئے
 ۳۵۹ ترکوں نے معتز کے ساتھ یہ سلوک کیا کہ پانوں پکڑ کر اسکو گھسیٹ لائے اور قمیص اتار کر دھوپ میں کھڑا کر دیا، زمین تپ
 رہی تھی، خلیفہ کبھی ایک پانوں اٹھایا تھا کبھی دوسرا اور ترک طلاچے مارتے تھے، آخر اسکو قتل کر دیا گیا، ملاحظہ ہو طبری ۳۵۹ء

دیا کہ "جب تک ترک چاہیں گے۔ اس فقرے پر حاضرین کو منہسی لگی،

دارالخلافہ پھر بغداد کو منتقل ہوا، موفق اور اس کے بیٹے خلیفہ معتمد کی قومی شخصیت نے

پھر برائے چہرے خلافت کے ناتوان جسم میں جان ڈال دی، مگر باہنہ ترکون کی قوت قنا
نہ ہو سکی، یہ صحیح ہے کہ ان کا اقتدار بہت کم ہو گیا، مگر باوجود اس کے اس عہد کے اکثر سربراہ اور

وزراء ان کی اعانت کے محتاج رہے، وزارت کا منصب ایک آنی جانی چیز سمجھا جاتا
تھا، چنانچہ ہر وزیر نے حکومت کے فائدے سے زیادہ ذاتی منفعت بد نظر رکھی، اس کلیہ

سے اگر کوئی مستثنیٰ رہا تو ایک علی بن عیسیٰ جو اس لحاظ سے عت و احترام کا مستحق ہے، اس

زمانہ میں عمال حکومت کا مقصد اولین جمع زر ہوتا تھا، رشوت ستانی کے الزام، معزولی

اور جائداد کی ضبطی آئے دن کے معمول تھے، یہاں تک کہ یہ مد حکومت کی آمدنی کا ذریعہ

بن گئی تھی، اور اس کا انتظام کرنے کے لئے ایک جدا محکمہ وجود میں آ گیا تھا،

ابن الفرات جو اس عہد کے سرآمد وزراء میں شمار ہوتا تھا، کہا کرتا تھا کہ "خلیفہ کے کاروبار

کو متحرک رکھنا چاہئے وہ حرکت غلط سمت ہی میں کیوں نہ ہو، اس سے بہتر ہے کہ وہ صحیح

مقام پر قائم اور ساکن رکھے جائیں، اس قول سے سلطنت کے اکابر و اعیان کی سیرت کا

کافی اندازہ ہو سکتا ہے، مختصر یہ ہے کہ ارکان سلطنت کی ساری جماعت اس قدر دیانت

سے خالی ہو گئی تھی کہ ایماندار آدمی کو سرکاری ملازمت کرنی مجال تھی، باوجود اس کے کہ علی بن عیسیٰ

۱۔ انفری لابن لطفی ص ۳۳۳، تاریخ تمدن زیدان مترجمہ مارگولیتھ صفحہ ۲۳۳، منقول از کتاب الوزراء

ہلال الصابی صفحہ ۳۰۶، ایضاً صفحہ ۲۳۲، منقول از کتاب الوزراء ہلال الصابی صفحہ ۱۱۹

جیسی بر شخصیت سلطنت کے لئے ناگزیر تھی، لیکن خلیفہ مقتدر نے ناجائز اثرات قبول کئے اور علی کو متعدد مرتبہ معزول کر کر دیا،

مقتدر ۳۲۰ھ میں قتل کر دیا گیا، اور اس کے بعد عباسیہ کے زوال کا آخری دور شروع ہو گیا، ترکی فریق پھر غالب ہوا، اور ۳۲۶ھ میں متوکل کے خون کے بعد جو تماشہ نظر آیا تھا وہی منظر پھر سامنے آنے لگا، حالات کی یہ صورت دیکھ کر بہت سے حکمران امیرون نے چاہا کہ بغداد کو زیر اثر لے لیں، اور خلیفہ کو تپلی کی طرح ہاتھ میں رکھ کر سلطنت پر حکمرانی کریں، چنانچہ دربار بغداد پر اقتدار حاصل کرنے کی خاطر قیبا نہ سرگرمیاں شروع ہو گئیں، ان حریفوں میں سے اکثر امیر الامراء کے منصب پر فائز رہے، جو مخصوص طور پر ان ہی کے لئے وضع کیا گیا تھا، وزیر کے اکثر اختیارات امیر الامراء کو تفویض ہو جانے کے بعد وزارت کی وہ اہمیت اور شان رخصت ہو گئی، اب وزیر کے اختیارات سماعت صرف ان لوگوں کے قضیوں تک محدود تھے، جنکا حکومت سے کوئی تعلق نہ ہو، جن معاملات میں حکام یا سپاہی فریق ہوتے تھے، ان کا فیصلہ خلیفہ کا نامیندہ ہونے کی حیثیت سے وزیر نہ کر سکتا تھا، بلکہ اب ایسے مقدمات کو امیر کا معتمد سنتا تھا، ان پو الہوس امرانے خلیفہ کا روزینہ مقرر کر دیا تھا، اور تمام محال خود صرف کرتے تھے، اس کے ماسوا ایک نئی رسم یہ شروع ہوئی کہ جمعہ کے خطبے اور سکوں میں خلفا کیسے

۱۰۔ مسکو یہ ۱۰ صفحہ ۲۱، ۲۰ ترجمہ ایکلیس باب چہارم صفحہ ۴۵ ایک مرتبہ علی کی معزولی اس جرم میں واقع ہوئی کہ وہ برخاست شدہ عہد داروں سے حسب ستور جرمانے وصول نہ کر سکا تھا، ملاحظہ ہو بودین کی تصنیف علی بن عیسیٰ صفحہ ۱۲۵ بحوالہ کتاب لوزراء ہلال الصابی صفحہ ۷۹، علی نے اس مطالبہ کا یہ جواب دیا کہ میں ان عہد داروں پر اعتماد کرتا تھا، اب ظلم نہیں کر سکتا، ملاحظہ ہو مسکو یہ باب اول صفحہ ۲۱ ایکلیس ترجمہ جلد چہارم صفحہ ۳۹۶، ۲۰ علی بن عیسیٰ مصنفہ بودین بحوالہ ہلال الصابی صفحہ ۳۱۷، ۳۱۸ مسکو یہ جلد ۱ ص ۳۵۲ ایکلیس کا ترجمہ جلد ۱ ص ۳۹۶،

ان کے نام بھی آنے لگے:

خليفة کے اختیارات کچھ نہ رہے تھے، پھر بھی دیندار مسلمان اس کا ادب کرتے تھے، اور ان کی دعائیں اس کے ساتھ تھیں، اب بھی اس کے احکام کی علانیہ خلاف ورزی خطرے سے خالی نہ تھی، کیونکہ حکم عدویٰ کرنے والا عوام کی ہمدردی سے محروم ہو جاتا، اس سبب سے حصول اختیار کے لئے ضروری تھا کہ حقیقی حکمرانی کو بطرز احسن نمائشی محکومی کا رنگ دیا جائے، خلفاء سلطنت کے نظم و نسق کے ذمہ دار ضرور تھے، مگر یہ واقعہ ہے کہ اپنی مرضی کے مطابق عمل کرنا ان کے لئے ممکن نہ تھا، احکام انہی کے قلم سے جاری ہوتے تھے، مگر جنبش قلم با اثر امر کے اشاروں کی تابع تھی،

فقہاء اسلام نے خلافت کی جو شرعی حیثیت قائم کی ہے اس کو دیکھئے اور اس وقت عملاً اس منصب کی جو حیثیت رہ گئی تھی اس کو دیکھئے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس بے قاعدہ صورت حال میں جو دارالخلافت اسلامی میں اس وقت موجود تھی، خلیفہ کا وجود ایک کھلونے سے زیادہ حقیقت نہ رکھتا تھا، تحقیق کی راہ میں منجملہ اور دشواریوں کے ایک وقت یہ حال ہے کہ علی بن محمد الماوردی (۳۸۱ھ - ۴۹۱ھ) سے پہلے منصب خلافت کی تشریح کسی نے نہیں کی، اور اگر کی تو اب موجود نہیں ہے، ماوردی کی تصنیف احکام السلطانیہ پانچویں صدی کے ثلث اول میں وجود میں آئی، اگرچہ اس کتاب کی تصنیف

۱۵ ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۲۳۱، حکم ہوا کہ ہر مسجد میں ابن رائق کا نام پڑھا جائے، حکم اور تو زون دونوں کے نام بغداد دارالضرب کے سکون پر ملتے ہیں ملاحظہ ہو لین پول کی تصنیف اسلامی حکمرانوں کے سکے، منہ ۱۹ وضمیمہ جات ص ۲۵۶،

ایسے دور میں ہوئی جب کہ خلیفہ اختیارات سے محروم ہو چکا تھا، لیکن اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں تک اصولی مسائل کا تعلق ہے، منصبِ خلافت کے متعلق ماوردی کی تشریحات، دورِ سابق سے تعلق رکھتی ہیں، چونکہ آل بویہ کے عہد سے پہلے منصبِ خلافت کے متعلق کسی مبہم مصنف کا بیان موجود نہیں، اور چونکہ ماوردی نے اپنے براہین اور تائید کی بنیاد گذشتہ روایات اور سابق فقہاء کی آراء پر قائم کی ہے، لہذا یہ سمجھنا بیجا نہ ہوگا کہ ماوردی کا نظریہ خلافت (وہ خصوصی پہلو جنہیں دستور وقت کا اثر جھلکتا ہے نظر انداز کر دینے کے بعد) دراصل ان فقہاء کا نظریہ ہے جو آل بویہ سے پہلے گزر چکے تھے،

ماوردی کے بقول انصاف امور دنیوی اور بقائے دین کے لئے ایک قائد کی ضرورت ہے اور رسول کے بعد ایسا قائد پیدا کرنے کے لئے خلافت کا منصب ضروری ہے اس کے نزدیک قوم پر فرض ہے کہ یہ اتفاقِ رائے امام مقرر کرے، اگرچہ یہ واقعہ ہے کہ اس دور میں خلفاء کے انتخاب میں بحیثیتِ مجموعی قوم کو سر مو بھی دخل نہ رہا تھا، لیکن رسم قائم رکھنے کی خاطر برائے گفتن عامۃ الناس سے بیعت پھر بھی لیجاتی تھی، بجائے اس کے کہ اہل ملت کے اتفاقِ رائے سے خلیفہ کا انتخاب ہوتا، قوم کا دخل صرف اس قدر رہ گیا تھا کہ طوعاً یا کرہاً منتخب شدہ خلیفہ کی اطاعت کا حلف لے لے یہ رسم نمائشی تھی، لیکن انتخاب کی تکمیل کے لئے ضروری تصور ہوتی تھی، قضاة اور دیگر عمائد کے حلف کو زیادہ اہمیت دیجاتی تھی، مگر یہ لوگ حلف لینے میں کافی احتیاط کرتے تھے اور احکامِ شریعت سے سر مو بجا

لہذا اس نظریہ کی تفصیلی تشریح ہمارے موضوع کے حدود سے باہر ہے،

کرنا نہ چاہتے تھے۔

مصنف مذکور کہتا ہے کہ انتخاب کے وقت ایک طرف تو وہ لوگ ہوتے ہیں جنکو
 انتخابِ امام کا حق حاصل ہے اور دوسری جماعت ان شخصوں کی ہوتی ہے جو انتخاب کے امیدوار
 ہوتے ہیں انتخاب کرنے والوں میں ذیل کی تین صفیں ہونی چاہئیں، (۱) دیانت ہر معنی
 اور ہر اعتبار سے، (۲) امام کے ضروری اوصاف سمجھنے کی استعداد، (۳) قوت فیصلہ اور
 اصابت رائے تاکہ وہ منصبِ امامت کے لئے مناسب ترین فرد کو منتخب کر سکیں ^{حقیقت} یعنی
 انتخاب کرنے والے ترکی سرور اور وزیر ہوتے تھے، ان میں سے بڑی تعداد خود غرض
 بے اصول اور ہر اعتبار سے دیانت سے معرا ہوتی تھی، اوصاف دوم و سوم کی کمی ان میں
 نہ ہوتی تھی لیکن شرط اول مفقود ہونے کے سبب بقیہ دو کا جائز استعمال بھی نہ کر سکتے تھے
 انتخابِ خلیفہ کے مسئلہ میں وہ اپنی خواہشات پر نظر رکھتے نہ کہ خلیفہ کے اوصاف پر،
 منصبِ خلافت کی اہلیت ماہر و مکی کے نزدیک ذیل کی شرائط پر منحصر ہے، (۱)
 ہر اعتبار سے متدین ہو، (۲) فقہ سے واقف ہو تاکہ پچیدہ معاملات میں شرعی مسائل سمجھ سکے،
 (۳) نطقِ سماعت اور بصارت صحیح رکھتا ہو، (۴) تندرست ہو، (۵) وہ ذکاوت اور دانائی
 رکھتا ہو جو فرمانروائی خلق اور انصافِ مہمتِ ملکی کا شعور پیدا کر سکے، (۶) جرمی اور دلیر ہو تاکہ حدود
 سلطنت کا تحفظ اور اعدائے اسلام کی تحریف کر سکے، (۷) قریشی نسب ہو، چونکہ عموماً خلافت
 کا منصب وراثتاً منتقل ہوتا تھا، انتخاب کا میدان تنگ رہتا تھا، منتخب کرنے والوں کو در
 خلیفہ متوفی یا معزول ہی کے بیٹوں اور بھائیوں میں سے کسی کو نامزد کرنا پڑتا تھا، اس محدود ^{تعداد}

میں بھی خلیفہ کے ضروری اوصاف پر نظر نہ کی جاتی تھی، جواز اور باضابطگی کا رنگ دینے
 کے لئے، ایک نمائشی کارروائی عمل میں لائی جاتی تھی، اعیان دربار، سردارانِ عساکر اور
 پیشوایانِ مذہب کا اجتماع ہوتا تھا جس کا مقصد مذکورہ بالا شرائط پر غور کرنا ہوتا تھا، مگر اس
 اجتماع سے قبل ہی ذی اثر حضرات فیصلہ کر چکے تھے، شرائط سوم و چہارم اس تمام عہد میں
 ہمیشہ ملحوظ رکھی گئیں ان پر اعتقاد اتنا راسخ تھا کہ کسی مدعی خلافت کا آنکھوں سے محروم ہو جانا
 اس کے حقوق کا خاتمہ کرنے اور تاج و تخت سے محروم رکھنے کے لئے کافی سمجھا جاتا تھا،
 ساتویں شرط اشد ضروری تھی اور اتنی ہی سختی کے ساتھ اس کی پابندی ہوتی تھی، اہلسنت کا
 اس شرط پر اتنا کاربند رہنا چند احادیث کی بنا پر تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبتاً
 کی جاتی تھیں، خاص عباسی خاندان کے حق میں چند اور احادیث وضع کر لی گئی تھیں جن سے
 ان کی حکومت کا مزید استحکام ہو گیا تھا، انہی احادیث کا اثر تھا کہ ترک سردار مختار کل ہونے
 کے باوجود بھی نسل عباس سے باہر کسی شخص کو مسندِ خلافت کے لئے پیش نہ کر سکے، اس
 اختصاص نے دو دمان عباسیہ کو اہلسنت کی نگاہ میں ایک گونہ مقدس بنا دیا تھا، اور اس
 باعث بہ اشتناء ہسپانیہ مسلمانوں کے تمام سنی ممالک میں سیاسی اتحاد کی ایک نوود قائم
 ماوردی خلافت کو ناقابلِ تقسیم سمجھتا ہے، وہ کہتا ہے "بیک وقت ایک سے زائد امام
 نہیں ہو سکتے، اہل سنت اس اصول پر سختی سے کاربند رہے، جس سے خلافت کے ادارے
 کو اور بھی زیادہ تقویت پہنچی، خلافت کے نسل بعد نسل منتقل ہونے سے شخصی حکومت کی جو
 شکل پیدا ہو گئی تھی، اس پر جواز کی مہر ثبت کرنے کے لئے ماوردی اس دستور کو جائز تصور

کرتا ہے کہ خلیفہ اپنا جانشین خود نامزد کرے،

ماوردی کے نزدیک خلیفہ کے دس فرائض ہیں، (۱) دین اسلام کے اصول بلند و بالا کرنا، (۲) نزاعات اور مقدمات فیصلہ کرنا، (۳) ممالک اسلامی کی حفاظت کرنا، (۴) حدود سیاست جاری کرنا، (۵) سرحدی علاقوں میں تحفظ کے لئے سامان حرب فراہم کرنا اور سپاہ رکھنا، (۶) ان لوگوں سے جہاد کرنا جو قبول اسلام سے انکار کریں یا بحیثیت ذمی اطاعت پر رضی نہ ہوں، (۷) حسب احکام شریعت محاصل لگانا، (۸) بیت المال سے سالانہ وظیفے تقسیم کرنا، (۹) مختلف اضلاع میں بندوبست محاصل اور نظم و نسق ملکی کے لئے معتمد اشخاص اور مشیر مقرر کرنا، (۱۰) کاروبار سلطنت کی نگرانی کرنا اور چشم خود حالات کا معائنہ کرنا، اگر خلیفہ فرائض کو بجالاتا تھا تو رعایا کے ذمہ دو فرض تھے، اول اطاعت اور دوم اعانت، ظاہر ہے کہ اس دور انحطاط میں کسی خلیفہ نے فقہاء کے قائم کئے ہوئے سب فرائض نہ انجام دیئے نہ دیکھتا تھا، لیکن قصور وار خلیفہ کو معزول کر سکنے کا اختیار کبھی استعمال نہ کیا گیا، سبب یہ تھا کہ اس حق سے فائدہ اٹھانے کی قوت ہی نہ تھی، دوسرے جو اہل غرض اکابر خلیفہ کو سر یہ سلطنت پر بٹھاتے تھے ان کی اعانت اور حمایت عزل کو ناممکن بنا دیتی تھی، دو خاص چیزیں تھیں جو منصب خلافت سے محروم کر دیتی تھیں ایک قسح اخلاق اور دوسرے جہانی نقائص، اول الذکر قصور پر معزول کر دینے کا اختیار اہل غرض فریق کے لئے ایک عمدہ حربہ تھا، جب تک خلیفہ اس فریق کے مطالبات پر سر و چشم قبول کرتا رہتا تھا، اخلاق کوئی نہ پوچھتا، مگر جس آن وہ اس جماعت سے متحد نہ رہتا اخلاق کی پریشی شروع ہو جاتی اور اس سے

درخواست کی جاتی کہ تخت سے خود دست بردار ہو جائے، اس کو مجبوراً رضامند ہونا پڑتا تھا اور قضاۃ اس پر گواہ ہوتے تھے، اس کے بعد خلیفہ کو ایک جلسہ کے سامنے اپنے عدل کا اعلان کرنے کے لئے حاضر کیا جاتا تھا، اگر کوئی خلیفہ ذی اختیار جماعت کی تجویز سے انحراف کرتا تو قتل کی دھمکیاں دی جاتیں یا آنکھوں سے معذور کر دیا جاتا، صورتِ حال یہ ہو تو یہ توقع فضول ہے کہ صوبہ دار خلافت کی فرمانبرداری کا فرض کما حقہ ادا کرتے ہوں گے، ایران میں سب سے پہلے طاہریوں نے خود مختار ریاست قائم کی، دربارِ خلافت اور طاہریہ ریاست کے باہمی تعلقات سے اگلے باب میں بحث کی جائے گی،



دوسرا باب

طاہریہ اور خلافت

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس ریاست کا بانی طاہر ذوالیمینین تھا، طاہر کا سلسلہ نسب رازق سے ملتا ہے جو ابو محمد طلحہ عبداللہ الخزائی والی سیستان کے یہاں ملازم تھا، اس کا بیٹا صعب صوبہ بیروت کے شہر بوشنگ کا حاکم اور عباسی سفیر سلیمان بن کثیر الخزائی کا منشی تھا، اس کے مرنے کے بعد بوشنگ کی حکومت اس کے بیٹے حسین کو (۱۹۹ھ - ۱۵۰ھ - ۸۱۴ھ) اور پھر اس کے پوتے طاہر کو تفویض ہوئی، طاہر بعد کو خلیفہ مامون کی ملازمت میں آگیا یہ امر مسلمہ ہے کہ مامون کو امین کے مقابلہ میں جو فتح حاصل ہوئی وہ اسی سپہ سالار کی سعی و کوشش کا نتیجہ تھی، قدرتی طور پر مامون نے جلیل ترین عہدے طاہر اور اس کے اہل خانہ کو عنایت کئے، مامون کے تختِ خلافت پر پہنچنے کے بعد (۱۹۸ھ - ۱۳۶ھ - ۸۱۳ھ) طاہر بحریرہ کا حاکم اور سواد کا محاسب مال مقرر ہوا، اور بغداد کے حربی سرداروں میں اس کا نام شامل کیا گیا، اس کے بیٹے عبداللہ کو سلطنت کے مغربی علاقوں میں امن قائم کرنے کی خدمت سپرد ہوئی

۲۰۶ھ میں عبداللہ کو اس صوبہ کا والی بنایا گیا جو رقبہ اور بصرہ کے درمیان واقع ہے۔ اسی کے ساتھ امین کے ایک رفیق نصر بن شبث کے خلاف جو سپاہ روانہ ہوئی اس کی سپہ سالاری پر بھی عبداللہ کو نامزد کیا گیا، ۲۰۹ھ میں نصر نے خود کو عبداللہ کے حوالہ کر دیا، اسی سال (۲۱۰ھ) وہ مامون کے حکم سے مصر گیا، وہاں کی شورش ٹھنڈی کی اور اسکندریہ کو خلافت کے زیر نگیں لے آیا،

عباسی سلطنت کی فتح اور استحکام دونوں طاہر لوین کی وفاداری اور حسن خدمت کا ثمر تھے، چنانچہ ان کو شریک سلطنت ہونے کی عزت ملی، مامون ان کی خدمات کی قدر کرتا تھا اور اعلیٰ اعلیٰ عہدے دے کر کافی صلہ دیتا تھا، لیکن یہ احتیاط بھی ملحوظ رکھتا تھا کہ وہ اپنے وطن خراسان سے دور ہی رہیں، اگرچہ اس خطہ کی پرشورش فضا مقتضی تھی کہ فتنہ فرو کرنے کے لئے مزید توجہ سے کام لیا جائے اور طاہری سرداروں کو اس نہم پر مامور کیا جائے، لیکن اس علاقہ میں طاہر لوین کا اتنا اثر تھا کہ بیجا استعمال ہو کر سلطنت کے لئے خطرناک بن سکتا تھا،

طاہر کے حوصلے بلند تھے، وہ بغداد رہ کر اس منصب پر قناعت کرنا نہ چاہتا تھا، اس کو خراسان کی حکومت کا شوق تھا، چنانچہ خود اس کا قول اس بیان کی تائید کرتا ہے، کسی نے طاہر کو دعا دی کہ خدائے تعالیٰ یہ عزت مبارک کرے، خراسان میں تمہارے جتنے ہم چشم تھے، ان میں کوئی بھی اس مرتبہ کو نہ پہنچا۔ یہ سن کر طاہر نے جواب دیا کہ مجھے اس سے مسرت نہیں ہوتی، کیونکہ یہاں بوشنگ کی وہ یوڑھی عورتیں نظر نہیں آئیں جو چھتوں کے

چڑھ چڑھ کر مجھے دیکھا کرتی تھیں۔ لیکن اس کے باوجود طاہر کا بغداد سے چلا جانا خود مامون کے طرز عمل کا نتیجہ تھا، مشہور ہے کہ ایک روز طاہر کو دیکھ کر مامون کے دل میں این کی یاد تازہ ہو گئی جس کو طاہر نے قتل کیا تھا، بھائی کی محبت میں مامون کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اس واقعہ نے طاہر کو مشتہہ کر دیا، جب اس کو معلوم ہو گیا کہ مامون کے آنسو کیوں نکلے تھے اور مامون کے قلب میں اس کی طرف سے کیسی نفرت تھی تو وزیر کی امداد سے خود کو خراسان کی حکومت پر مامور کر لیا، یہاں اس کا اثر موجود تھا اور خاندانی تعلقات کی بنا پر امداد کی امید تھی، مامون کو طاہر پر اعتماد باقی نہ رہا تھا، اس کا ثبوت بس یہی واقعہ کافی ہے کہ پہلے طاہر کو مشرقی صوبہ پر تعینات کرنے کے لئے وہ راضی نہ ہوتا تھا، مگر وزیر کے فریب نے مامون کی رضا حاصل کر لی، پھر بھی مامون نے خراسان کی حکومت اس شرط پر عنایت کی کہ طاہر کے طرز عمل کا وزیر خود ضامن بنے، مامون کی طرف سے طاہر کے خلاف شدید عداوت کا اظہار ہوا اور بہ طاہر یہی باعث تھا کہ ۲۰۰ھ میں طاہر نے خطبے سے مامون کا نام خارج کر کے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا، حالانکہ یہ وہ دور تھا کہ عباسی خلافت کا آفتاب نصف النہار پر چمک رہا تھا، طاہر کی یہ دیوانہ وار بغاوت ظہور میں آتے ہی فنا ہو گئی، کیونکہ اچانک قدرت کے ہاتھ یا زہر کی طاقت نے طاہر ہی کو دنیا سے اٹھایا، کہا جاتا ہے کہ زہر دینے والی ایک کینز تھی جو مامون نے عنایت کی تھی اور جس کو یہ ہدایت کر دی گئی تھی کہ طاہر کو ہلاک کر دے،

باپ کی جگہ طلحہ کا تقرر غالباً اس مصلحت پر مبنی تھا کہ طاہر کی ناگمانی موت سے جو نسبت

پیدا ہو رہے تھے، مسدود ہو جائیں، طلحہ کے بعد اس کا بھائی عبداللہ بن طاہر حکومت پر مامور
 ہوا، اس تقریر نے وراثت کا حق قائم کر دیا، اور مقامی اثر اور اقتدار اتنا بڑھا دیا کہ کسی سابق
 حاکم کو نصیب نہ ہوا تھا، یہ امر قابل لحاظ ہے کہ عبداللہ کا تقریر نوازش خسروی کا نتیجہ نہ تھا، بلکہ
 خود عبداللہ کی قابلیت کا انعام تھا، علاوہ ازیں مامون اس پر پورا اعتماد کرتا تھا اور بڑے
 اعزاز کے ساتھ پیش آتا تھا، مگر عبداللہ بن طاہر کے دور میں اس خاندان کا عروج انتہا کو پہنچ
 گیا اور اس کے قدم ایسے جم گئے کہ کسی دوسری جگہ کی حکومت پر تبدیل کرنا دشوار ہو گیا،
 خلیفہ معتمد کو اس سے رنج تھا، مگر معتمد کو بھی برطرف کر دینے کی جرأت نہ ہوئی، وہ عبداللہ
 کا خاتمہ کرنے کے لئے قتل کی خفیہ تدبیر کرتا رہا، اس کے برخلاف عبداللہ سے بنو عباس کو جو
 توقعات تھیں وہ پوری ہوتی رہیں اور اس نے ثابت کر دیا کہ جو اعتماد اس پر کیا جاتا تھا،
 اس کا اہل تھا، اس وقت بھی جب کہ اس کو معتمد کی سازش کا حال معلوم ہوا، اس نے وہ
 طرز عمل نہ اختیار کیا جو اسی قسم کے حالات میں اس کے باپ نے کیا تھا، تاہم یہ احتیاط کرنے
 کہ زیادہ مدت تک ملک سے باہر نہ رہتا تھا، وطن ہی میں وہ اپنی جان محفوظ سمجھتا تھا، اسی
 سبب سے عبداللہ کو باوجود اپنی دین داری کے زیارت کعبہ کے شرف سے محروم رہنا پڑا،
 عبداللہ بن طاہر کی موت کے بعد (۲۳۳ھ) خلیفہ واثق نے اسحق بن ابراہیم مصعبی کو خراسان
 کی حکومت تفویض کی، مگر عبداللہ اپنے نئے عہدے کا کام لینے کے لئے روانہ بھی نہ ہوا تھا کہ
 تقریر منسوخ ہو گیا، اور طاہر بن عبداللہ کو باپ کی جگہ مامور کیا گیا، ۲۴۲ھ میں آخری تقریر
 محمد بن طاہر کا ہوا، اور یہ تقریر ان خدماتِ جلیلہ کے صلے میں عمل میں آیا، جو عبداللہ اور

اس کے اہل خاندان بجالائے تھے، اس بیان سے ظاہر ہے کہ حالات کے اقتضا نے خراسان کی حکومت طاہر کے خاندان سے باہر نہ جانے دی، یہاں تک کہ ۲۵۹ھ میں یعقوب بن لیث نے اس کا خاتمہ کر دیا،

طاہری حکمران سالانہ خراج کی ایک معین رقم دربار خلافت کو بھیجتے رہتے تھے، ابن خردادبہ کے بقول ۲۱۱ھ - ۲۱۲ھ میں عبداللہ نے جو خراج پیش کیا وہ چار کروڑ اڑتالیس لاکھ چھیالیس ہزار درہم ۱۳ اس شایستہ گھوڑوں، دو ہزار بھیروں اور دو ہزار غلاموں پر جن کی قیمت ساٹھ لاکھ درہم قیاس کی جاتی تھی مشتمل تھا، ایک ہزار ایک سو ستاسی پارچے اور ایک ہزار تین سو اسی بھی اس میں شامل تھے، قدامہ کے بقول عبداللہ نے صرف تین لاکھ اسی ہزار درہم ادا کرنے کا وعدہ کیا تھا، اور ملک کے محاصل کی مقدار چار لاکھ اسی ہزار درہم تھی، طبری راوی ہے کہ عبداللہ کے سال وفات ۲۳۳ھ میں تمام مدت سے مجموعی آمدنی اسی قدر ہوئی تھی،

فی الجملہ طاہری رئیس عباسی خلافت کے خیر خواہ رہے، ۲۴۶ھ میں ترکوں نے جب متوکل کو قتل کیا اور سلطنت کو یک نخت زوال شروع ہوا، اس وقت بھی طاہریوں نے خلافت کے ضعف سے کوئی قابل ذکر متمتع حاصل نہ کیا، ان کی اس سہل انکاری کے تین سبب ہو سکتے ہیں، اول یہ کہ طاہر کا خاندان جیسا ابھی مذکور ہوا شریک سلطنت کی حیثیت رکھتا تھا، بہترین ممالک ان کے زیر حکومت تھے، اور اندرونی انتظامات میں کوئی ان کا دخل نہ تھا، خاص خراسان کے علاوہ رے اور کرمان، ان کی حکومت میں شامل تھے، کرمان

کے شرق میں سرحد ہند تک کل علاقہ ان ہی کے زیر نگین تھا، اسی طرح شمال کی جانب بارہ
 خلافت کی آخری حدود تک ان ہی کی حکومت تھی، کفار سے لڑائیاں ہوتیں تو غنیمت
 کا پانچواں حصہ ان کے لئے مقرر تھا، عراق سے نذر اور تحائف کے علاوہ ایک کروڑ تیس لاکھ
 درہم انھیں ملتے تھے، ولایت خراسان کے علاوہ اسی خاندان کا ایک فرد بغدادی عساکر
 کا امیر تھا، اس منصب پر بلا شرکت غیرے قابض رہنے سے ان کا اقتدار ایک زمانہ میں
 اتنا بڑھ گیا تھا کہ ۲۵۱ھ میں جب کہ خلافت کی قسمت ترکوں کے پنجے میں پہنچ گئی تھی،
 اسی خاندان کی بدولت خلیفہ کا وجود محفوظ رہا، محمد بن عبداللہ بن طاہر بغدادی میں اتنا بااثر
 تھا کہ خلفاء کا عزل و نصب اس کی مرضی پر منحصر ہو گیا تھا، مستعین اور معتز کی رقابت
 میں خلافت کی قسمت جن لوگوں نے فیصل کی تھی، ان میں محمد بن عبداللہ بھی شریک تھا،
 الغرض طاہری امیر اور ترکی سردار دونوں محال خلافت سے حسین بھرنے والی جماعتیں
 دوسرے صرف عبداللہ بن طاہر کے عہد میں یہ ممکن تھا کہ خود مختاری کی کوشش
 کامیاب ہو سکتی، لیکن آثار انحطاط کے باوجود ابھی خلافت اتنی ضعیف نہ تھی کہ یہ کوشش
 بار آور ہونے کی توقع ہو سکتی، عبداللہ کافی ہوشمند تھا، اس نے خلیفہ سے رشتہ اطاعت تو
 منقطع نہ کیا مگر اپنے حدود کے اندر رہ کر بہتر سے بہتر فائدے حاصل کرتا رہا، یہ بھی ممکن ہے کہ
 عبداللہ اور اس کے بیٹے نے خروج کر کے اہل دنیا کی نگاہ میں کافر ٹھہرنا پسند نہ کیا ہو، کیونکہ
 یہ دونوں سردار سچے مسلمان تھے،

تیسرا سبب یہ تھا کہ خلافت عباسیہ کا ناگہانی انحطاط اور طاہری خاندان کا زوال

بیک وقت وقوع میں آیا، ان کا آخری سردار محمد بن طاہر جو ۲۴۰ھ میں باپ کی مسند پر بیٹھا، کمسن اور عیش و عشرت کا دلدادہ تھا، ایسے کمزور حکمران کے زیر نگیں خود اسی کے صوبے محفوظ نہ تھے، اسی عہد میں حسن بن زید (علوی) نے ۲۵۱ھ میں طبرستان پر قبضہ کر کے خلیفہ مستعین سے عہد اطاعت شکست کر دیا، اور آخر ۲۵۹ھ میں خود محمد طاہری کو یعقوب نے شکست دے کر گرفتار کر لیا، ان حالات میں دربار عباسیہ سے دوستی منقطع نہ کرنا خود طاہریوں کے حق میں مفید تھا،

بوسع
بالعموم مرکزی حکومت کے احکام سے طاہری رئیس روگردانی نہ کرتے تھے، بلکہ حتیٰ نیک نیتی اور دیانت کے ساتھ بجا آوری کی کوشش کی جاتی تھی، ضرورت پیش آتی تھی تو دربار خلافت سے ان کو فوجی کمک بھی بھیجی جاتی تھی، ۲۰۶ھ میں جب طلحہ کو حکومت خراسان سپرد ہوئی تو اشرو ستم کا سردار کاؤس جو مامون کو خراج ادا کرنے کا وعدہ کر چکا تھا، باغی ہو گیا، چنانچہ احمد بن ابوالخالد کو سپاہ لے کر سرکوبی کے لئے بغداد سے روانہ کیا گیا، طلحہ نے مرکزی حکومت کی اس امداد کو خوشی سے قبول کیا اور اس کی بدولت مقصد میں کامیاب ہوا، بعض اوقات یہ امیر خود ہی پیش قدمی کرتے اور ایسی شورشیں فرو کر دیتے، ایک بار محمد بن القاسم خلافت کا جب مدعی ہوا تو عبداللہ بن طاہر نے اس مدعی کے خلاف کارروائی شروع کر دی، قاسم کو شکست دی اور ۲۱۹ھ میں گرفتار کر کے خلیفہ معتمد کے حوالے کر دیا، اس عہد کا سب سے زیادہ عظیم فتنہ مازیا بن قارن کی بغاوت تھی، اور خلیفہ مامون نے طبرستان، رویان اور ہاتد کی حکومت اس کو مرحمت کر دی تھی، مامون کی رحلت کے

بعد مازیا میں تداو اور خروج کے آثار ظاہر ہونے لگے، عبداللہ بن طاہر نے اس کے مظالم بے دینی اور بد اعمالی کی شکایت خلیفہ کو پہنچائیں، ۲۲۴ھ میں مازیا نے طاہر لویں کو خراج دینے سے انکار کیا اور علانیہ بغاوت شروع ہو گئی، خلیفہ کے سفیر نے فحاشی کی مگر مازیا نے ایک ذہنی، اس اثنا میں باپک مزدکی اور دوسرے مجوسیوں کو جھون نے مسلمانوں کے معجزہ سہارا دینے تھے، مازیا کی طرف سے بہت سے اعزاز عنایت ہوئے، مشہور آئین خراسان لینا چاہتا تھا، اس نے درپردہ اپنے رقیب عبداللہ بن طاہر کے خلاف مازیا کی ہمت افزائی کی، معصوم نے یہ سنتے ہی کہ مازیا خراج وصول کر رہا ہے اور اپنے جنوری میں کورنش ادا کرتا ہے، عبداللہ کے نام فرمان لکھا کہ اس سے جنگ شروع کرے، اور عبداللہ کی ملک کے لئے بغداد سے لشکر عظیم روانہ کر دیا، خلیفہ اور عبداللہ کی متحدہ جمعیت کا مقابلہ مازیا کی طاقت سے باہر تھا، وہ اسیر کر لیا گیا، اور خود عبداللہ نے بغداد لاکر خلیفہ کے حضور میں پیش کیا، جہاں چار سو تازیانے کی سزایا تجویز ہوئی، اس سزا سے مازیا جانبر نہ ہوا اور مرنے کے بعد اس کی نعش منظر عام پر رکھی گئی،

طبرستان میں شیعان علی اور سجستان میں خارجی اختلاف کے دشمن تھے، اور ان مذہبی جماعتوں کا فتنہ ہمیشہ طاہر لویں نے دبایا، خلفائے عباسیہ کے احکام بجالانے اور ان کا ساتھ دینے میں طاہری اپنی اغراض پوری کرتے تھے، سنی المذہب ہونے کے سبب ان کے اور خلفائے مفاوڈ مشترک تھے، چنانچہ خلیفہ کے دشمن خود ان کے دشمن تھے یہ کوشش کہ ان کے ملک میں کوئی نیا مذہبی گروہ پیدا نہ ہو جائے ایک سیاسی ضرورت تھی

اسی طرح جدید علاقوں کی تیسریین خلیفہ سے زیادہ خود ان کا فائدہ تھا، اس کے علاوہ طاہریوں کو دربار خلافت سے وفاداری کا صلہ کافی ملتا تھا اور خلیفہ کی نگاہ میں ہمیشہ عزیز رہتے تھے، یہ طاہریوں ہی کا اثر تھا کہ یعقوب صفاری مرتد اور باغی قرار دیا گیا، اور ۲۶۳ھ میں یعقوب کی قید سے محمد بن تاجور کے آزاد ہوتے ہی، خراسان، رے، فارس، قزوین، ازرجان کی حکومت اور بغداد کی سپہ داری اس عیش پرست حاکم کو سپرد کی گئی، آخر الذکر عہدے پر بیشتر طاہری سردار ہی مامور ہوتے رہے،

خراسان میں طاہریوں کی حکومت ان ہی اصول پر قائم رہی جو ۲۰۶ھ میں طاہری نے اپنے بیٹے عبداللہ کو دیار ربیعہ کی حکومت سپرد ہوتے وقت تلقین کئے تھے، طاہریوں کے طرز حکومت کا حال بہت کم معلوم ہے، مگر جو کچھ بھی معلوم ہو سکا ہے، اس سے ظاہر ہے کہ وہ خود تشریح مسلمان تھے اور اصول شریعت ہی کے مطابق حکومت کرتے تھے، آپاشی کے متعلق کتب اسلامیہ میں کوئی مسائل موجود نہ تھے، چنانچہ جب اس مسئلہ پر اہالیان ملک کے باہم نزاع پیدا ہوئی تو عبداللہ نے فقہائے خراسان کو طلب کر کے ہدایت کی کہ بشورہ فقہائے عراق آپاشی کے متعلق مسائل وضع کریں، اسی سلسلہ میں کتاب الفقی کی تدوین کی گئی جو امور بالا کے متعلق عرصہ تک رہبری کرتی رہی، اس سے ظاہر ہے کہ طاہری پابندی شریعت کی کوشش کرتے تھے، اور جہاں کھلے ہوئے مسائل نہ ملتے تھے، اپنے فیصلے کو دخل نہ دیتے تھے، یعقوبی کا قول اگر صحیح ہے تو عبداللہ کے عدل، انصاف اور خوش انتظامی کا یہ حال تھا کہ اس سے پہلے خراسان کو ایسا حاکم نصیب ہی نہ ہوا تھا،

امیر و غریب سے قطع نظر اس کو فلاحِ خلق کی فکر بہت دامنگیر رہتی تھی، اس کو بالخصوص مزارِ عین سے بہرہ بردی تھی، اور اس نے مفت تعلیم ہر شخص کے لئے عام کر دی تھی، وہ کہا کرتا تھا کہ علم تک ہر کس و ناکس کی رسائی ہونی چاہئے، علم خود اپنی شرافت کی پاسبانی کرے گا اور نابل کے سینے میں نہ رہیگا، طاہر بن عبداللہ کو بھی متقی اور فیاض حاکم کہا جاتا ہے، حاجیوں کے قافلوں کو آسائش دینا، طاہر پون کا مخصوص شیوہ تھا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ طاہری امر استی اور خلافت کے زبردست حامی تھے، وہ خلیفہ کو ہر کام میں مدد دیتے تھے، انھوں نے خلافت کے دشمنوں کی سرکوبی کی اور خلفاء کی مشکلات بڑی حد تک آسان کر دیں، وہ کفار سے جہاد کرتے تھے، حجاج کے قافلوں کو آرام پہنچاتے تھے اور اپنے ممالک پر انصاف اور قابلیت کے ساتھ حکومت کرتے تھے، مامون اور اس کے جانشین ان کی نسبت بہترین رائے رکھتے تھے، اور وہ خلافت کے سب سے زیادہ سیر حاصل صوبے پر مامور رہے، خلیفہ مخالف سے قطع نظر، جو معاہدہ ان کے اور خلیفہ کے درمیان ہوا تھا اسی کے مطابق ان کا خراج مرکزی حکومت کو ادا ہوتا رہا،

یہ وہ زمانہ تھا کہ خلافت کا دنیوی اقتدار تاراج ہو رہا تھا، اس برے وقت میں انھوں نے خلیفہ کی حمایت سے منہ نہ موڑا، اور ثابت کر دیا کہ جو توقعات ان سے وابستہ تھیں اور جو اعتماد ان پر کیا گیا تھا، اس کے اہل تھے یہ سچ ہے کہ واقعات نے انھیں خراسان کی ولایت پر نسلاً بعد نسل قائم کر دیا تھا، اور وہ ان سے ان کو تبدیل کرنا ناممکن

تھا، پھر بھی انہیں خلافت کی اطاعت سے آزاد یا نیم آزاد نہیں کہا جاسکتا، جیسا کہ تاریخ
اسلام کے بعض مصنفین نے ثابت کرنا چاہا ہے۔ ایران میں خلافت سے سب سے پہلے
جو منحرف ہوئے وہ صفاریہ تھے، اور اب خلفاء اور صفاریہ کے باہمی تعلقات پر
ایک نظر ڈالنا چاہئے۔



تیسرا باب

خلافت اور صفات

طاہری خاندان کا آخری فرمانروا محمد بن طاہر (۵۲۲۸ھ - ۵۲۵۹ھ) خراسان کے علاوہ سجستان کا بھی حاکم تھا، اس نوجوان شاہزادے کو ہمتِ ملکی سے زیادہ اپنی تفریحات میں مصروفیت رہتی تھی، ترکون کے ظلم اور اختلافات نے بغداد کی مرکزی حکومت کو مفلوج کر رکھا تھا، خلافت کا سیاسی اثر نہ دارالسلطنت میں باقی تھا نہ ایرانی صوبوں میں، چنانچہ خارجیوں نے دست درازیاں پھر شروع کر دیں، اور محمد بن طاہر سے پہلے طاہریوں کے عہد میں مخلوق کو جو امن اور سکون میسر تھا برباد ہو گیا، تفصیل کے ساتھ تو نہیں معلوم کہ سجستان میں صورتِ حال کیا تھی، مگر معلوم ہوتا ہے کہ خارجیوں کی غارتگری سے لوگوں کو محفوظ رکھنے کے لئے رضا کاروں کی ایک جماعت قائم ہوئی تھی جو خود کو مطوعہ کہتے تھے، ان کا سرگروہ درہم بن نصر بن صالح تھا، اس نے زرنگ پر قبضہ کر لیا اور سجستان سے طاہریوں کے ناظم ابراہیم بن حسین کو نکال کر خود اس صوبے کا مالک بن بیٹھا، ان رضا کاروں نے ایک قسم کی جمہوریت قائم کر لی تھی اور ان میں جو سب سے

زیادہ اہل اور قابل ہوتا تھا، سردار بنایا جاتا تھا، اس تنظیم کی بدولت جو وقتی صاحب جوہر ہوتے سامنے آجاتے،

اسی جماعت مطوعہ کا ایک رکن یعقوب تھا جو صفاری خاندان کا بانی ہوا، یعقوب ایک صفاری یعنی ٹھٹھیرے کا لڑکا اور ولایت سجستان کے قصبہ قرین کا رہنے والا تھا، جو زرننگ کے قریب واقع ہے، جرات، دلیری اور انتظامی قابلیت کی بدولت وہ جماعت کا سردار منتخب ہوا، اور انتخاب کے بعد ہی اس نے جوہر دکھانا شروع کر دیئے، اس کی کوششوں نے قزاقوں کی سرکوبی کی، آمدورفت کے راستے محفوظ کر دیئے اور ہیرہ کو اس کا مداح بنا دیا، اپنے رفقاء میں اس نے مساوات کا وہ اصول برتا کہ عسرت نہ وہ سجستانی اس کا دم بھرنے اور ایک ہموطن کے اس عروج پر ناز کرنے لگے، عباسی خلافت بھی اصول مساوات کی مدعی تھی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ بنو عباس کا طرز عمل تمام مسلمانوں کے ساتھ یکساں نہ تھا، بنو امیہ نے اہل عرب کو نوازا تھا، اسی طرح بنو عباس کی نگاہ کرم خراسانیوں پر رہتی تھی، نہ عربوں کی پریش تھی نہ خراسانیوں کے علاوہ فارس کی دوسری قوموں کی، اس جانب داری کو گوارا نہیں کیا جاسکتا تھا، لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ یہ نئی جماعت جو خارجیوں کے خلاف پیدا ہوئی تھی رفتہ رفتہ طاہریوں کی دشمن اور مال کا ر خود خلافت عباسیہ کی معاندین گئی، اور اس کا سبب یہ تھا کہ عباسی خلافت کے ہر فعل کی حمایت کرتی تھی بنو عباس کے دور میں سجستان کو نہ مساوات نصیب تھی، نہ انصاف، چنانچہ یعقوب اور اس کے بھائی عمر کو عباسی خلفاء کے مقابل ہونے میں مذہبی پاس مانع نہ آیا، خلیفہ کی

وہ کتنی وقعت کرتے تھے، اس جواب کے ظاہر ہے جو یعقوب نے فتح خراسان کے وقت محمد
 ابن طاہر کو دیا تھا، محمد بن طاہر نے جس وقت خلیفہ کی سند تقلید یعنی پروانہ حکومت طلب کیا
 تو یعقوب نے مصلے کے نیچے سے تلوار نکال کر طاہری سفیر سے کہا کہ میرے پاس یہ فرمان ہے
 اسی طرح عمر کو جب ماوراء النہر کی حکومت کا فرمان عطا ہوا تو اسی خیال کا اظہار ہوا، خلیفہ
 کے سفیر نے فرمانِ خلافت جس وقت عمر کے سامنے سامنے پیش کیا تو اس نے پوچھا یہ
 کیا ہے، سفیر نے تشریح کی اور کہا کہ یہی وہ چیز ہے جس کی آپ نے خلیفہ سے خواہش کی تھی،
 عمر نے جواب دیا کہ میرے یہ کس کام آئے گا، اسمعیل سامانی سے ملک اگر لیا جاسکتا ہے
 تو صرف ایک لاکھ برہنہ شمشیروں سے، یہ سچ ہے کہ یعقوب اور عمر خلیفہ کو تمام مومنین کا
 سردار سمجھ کر اس کے حق میں دعا کرتے تھے اور ان ممالک کے سکون پر اس کا نام مضر
 ہوتا تھا، مگر اس کے صرف یہ معنی تھے کہ وہ خلافت کو بحیثیت ایک مذہبی ادارے
 کے تسلیم کرتے تھے، بلکہ اتنا احترام بھی شاید مذہبی عقائد نہیں بلکہ سیاسی مصلحت پر مبنی
 تھا یہ وہ وقت تھا کہ خلیفہ کو خطا اور قصور سے بالاتر سمجھا جاتا تھا، اور شرعی حیثیت ہی
 نہیں بلکہ فی الواقع وہ تمام عالمِ اسلامی کا امام تھا، ایک صوبہ دار کے لئے خلیفہ کا حریف
 بن کر حکومت قائم کرنا ان حالات میں دشوار تھا، پھر اس غاصب کے لئے تو اور بھی
 زیادہ مشکل تھا جس کے پاس بجز شمشیر کے اور کوئی وجہ استحقاق نہ ہو، اس لئے اپنے مقاصد
 میں کامیاب ہونے کی خاطر صفاریوں کو ضرورت تھی کہ خلیفہ سے براے گفتن رشتہ
 قائم رکھیں، ورنہ خطرہ تھا کہ ان ہی کے محکوم جن کے سہارے پر وہ خلافت سے مقابل

ہو سکتے تھے، مخالف بناتے، فرمانِ خلافت کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ یعقوب کے بعد عمر کو علماء اور رضا کاروں نے اسی وقت جائز حاکم تسلیم کیا جب کہ خلیفہ کا فرمان مل گیا نیشاپور میں ایک مرتبہ عوام کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے عمر نے اپنے مسکن کے صحن میں تین روز تک وہ علم بلند رکھا، جو بغداد سے ارسال کیا گیا تھا، ان وجوہ سے صفار مجبور تھے کہ جو مالک دربار بغداد کے خلاف مرضی فتح کئے تھے ان پر حکومت کا حق حاصل کرنے کے لئے خلیفہ سے سمجھوتہ کر لیں، چنانچہ خلافت کی طرف سے باغی اور غائب ٹھہرنے اور رشتہ اطاعت بلا اعلان شکست ہو جانے کے بعد بھی خطبے اور سکے میں خلیفہ کا نام بدستور قائم رکھنا پڑا،

یعقوب اور عمر دونوں خلیفہ کا برائے نام اقتدار بھی پسند نہ کرتے تھے، چنانچہ پہلا شخص جس نے خطبہ میں خلیفہ کے ساتھ اپنا نام شامل کیا، یعقوب تھا، عمر نے یہ ابتدا کی کہ طلانی سکھ پر خلیفہ کے ہمراہ اپنا نام بھی مسکوک کرادیا، ایشیا میں کسی صوبہ دار کا یہ عمل اعلان آزادی کے ہم معنی تھا، یہ امر محتاج ثبوت ہے کہ صفاریں بغداد کو باقاعدہ خراج ادا کرتے تھے، اگرچہ ابن خلکان ناقل ہے کہ یعقوب نے اپنے زیر نگین ہونے کی دو تہلث آمدنی خلیفہ کو نذر کرنے کا وعدہ کیا تھا، صفاری فرما زواؤن کی ہوسنا کی اور بے اعتدالی کب اجازت دیتی کہ جو کچھ مل چکا تھا اس پر قناعت کرتے، ایران ہی سے نہیں بلکہ ممکن ہوتا تو وہ بغداد سے بھی خلیفہ کا تسلط ختم کر دیتے، سیاسی اختیارات خود حاصل کر کے خلیفہ کو برائے نام مذہبی پیشوا بنا دینے کا جو کام آل بویہ نے انجام دیا، اسی کی دلچ

صفاری ڈالنا چاہتے تھے،

ان کے اصلی ارادے تو جو کچھ تھے وہ تھے لیکن بعض امور کے سبب وہ خلافت کے وفادار دوست اور اہل سنت کے علمبردار متصور ہونے لگے، یعقوب اور عمرو دونوں نے کفارِ مشرق سے جہاد کئے اور گراہنا تحالف خلیفہ کی نذر گزارنے، یعقوب نے مشرق کی جانب کوہستانی علاقے فتح کر کے اپنی ریاست وسیع کر لی اور افغانستان میں اشاعت اسلام کا باعث ہوا، مگر ان حروبِ مقدس کا مقصد تو وسیع سلطنت اور حصولِ غنیمت معلوم ہوتا ہے، خلیفہ کو تحالف ارسال کرنے میں غالباً یہ مصلحت تھی کہ خلیفہ کو خوش رکھ کر مفتوحہ علاقوں کو زیر تصرف رکھنے کی سہولتیں حاصل جائے، یہ بھی ممکن ہے کہ عامۃ الناس کی نگاہوں میں خادمِ دین و ملت بنا مقصود ہو،

غالباً اسی سیاسی مصلحت سے صفاریوں نے علویوں اور خارجیوں سے محاربت کئے، یعقوب خود ابتداءً خارجی بتایا جاتا ہے، لیکن جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے، خارجیوں سے ہی لڑ کر اس نے شہرت حاصل کی، محمد بن طاہر کی شکست کے بعد جب کہ یعقوب خراسان کی حکومت کے لئے ساعی تھا، دربارِ خلافت کی وفاداری کے ثبوت میں اس نے اس خارجی سردار کا سر خلیفہ کی خدمت میں بھیجا تھا، اور یہ وہ سردار تھا جو نواحِ ہرات میں تین سال سے خلیفہ المومنین ہونے کا دعویٰ کر رہا تھا، طبرستان کے حاکم حسن نے جب یعقوب کے حریف عبداللہ کو پناہ دی تو یعقوب نے جنگ کی اور حسن کو قتل کر دیا، اس موقع پر اس نے نہایت مودبانہ الفاظ میں علویوں کے خلاف

فتح پانے کا حال دربار خلافت کو لکھا اور خلیفہ کو اطلاع دی کہ اس وقت (۵۲۶۰ھ) علوی خاندان کے ساٹھ افراد میری حراست میں ہیں، اسی طرح ریف نے جب خلیفہ کے خلاف بغاوت کی اور طبرستان کے علوی شاہزادے سے ساز کر کے شیعہ مذہب قبول کر لیا، اور جمعہ کے خطبہ میں علویوں کا نام داخل کر دیا تو عمر نے اس سے جنگ کی، جہاں قدم جانا چاہے وہیں تعاقب کیا، یہاں تک کہ (۵۲۸۴ھ) میں سرکاٹ کے خلیفہ کے حضور پیش کر دیا، ان دونوں مواقع پر مقصود حقیقی خراسان کی حکومت حاصل کرنا تھا،

عباسی خلافت سے صفاریوں کا سرکشی کرنا عجم اور عرب کی جنگ نہیں کہا جاسکتا، پارسی حکمرانوں نے خلیفہ کے مقابل کوئی متحدہ بغاوت نہیں کی، جو اس امر کا ثبوت ہے کہ عجمی قومیت کا براے گفتن بھی وجود نہ تھا، جیسا کہ مذکور ہوا، صفاری ہمیشہ دوسرے عجمی فرمانرواؤں سے برسر پیکار رہتے تھے، اور بارہا خلیفہ کے دوش بدوش ان سے معرکہ آرا ہوئے، یعقوب میں عجمیت سے زیادہ اسلامیت کا جذبہ موجود تھا جس کی بہترین شہادت یہ ہے کہ اس نے مشترکہ دشمن یعنی خلیفہ بغداد کے خلاف زنجیوں کے سردار سے اتحاد کرنا منظور نہ کیا، اس درخواست کے جواب میں اس نے کلام پاک کی یہ آیت لکھی کہ "کافرون سے کہدو کہ جس کو تم پوجتے ہو میں اس کی بندگی نہیں کر سکتا" یہ جواب یعقوب کی شریعت پرستی کا آئینہ ہے،

یہ بھی واقعہ نہیں کہ صفاریوں نے کسی ایسے حکمران کی تقلید کی جو عہد اسلام سے

پہلے گذرا تھا، باقاعدہ نظم و نسق وہ نہ قائم کر سکے، کیونکہ حکومت ہی ابھی متزلزل تھی، پھر بھی حکومت کی تنظیم میں جو اصول کام میں لائے گئے وہ اسلامی اصول سے تطابق رکھتے تھے نہ کہ قدیم ایرانی سیاست سے، صفاری سلاطین خود کو اپنے ادنیٰ سپاہیوں کے مقابلہ میں بھی اعلیٰ اور برتر نہ تصور کرتے تھے، حکومت کے عمال کو تا حد امکان وہ خود ہدایات دیتے تھے، یعقوب سا وسیع المملکت سلطان بھی معمولی سپاہی کی سادہ زندگی بسر کرتا تھا، وہ اپنے خیمہ میں خدام اور ملازمین کے بغیر تنہا سوتا تھا، اس کی سپرٹیکے اور بستری قائم مقام ہوتی تھی، دو نون بھائی عمال کی خود نگرانی کرتے تھے اور خود مسند عدالت پر بیٹھتے تھے، تحصیل محاصل کے ضوابط ان کے ہاں البتہ مقرر نہ تھے، ضروریات کے مطابق وہ قانون خود وضع کر لیتے تھے،

مختصر یہ کہ خلفائے بغداد کے ساتھ صفاریوں کے تعلقات اتنے معاندانہ نہ تھے، جتنے معلوم ہوتے ہیں، مذہبی حیثیت سے وہ خلیفہ کا احترام کرنے کے لئے تیار تھے، لیکن حق اور انصاف کے اقتضا سے مجبور ہو کر خلیفہ اور صوبہ داروں کی کمزوری سے عاجز آ کر انکو نئی حکومت کی بنیاد ڈالنی پڑی، مگر عدالت سے گذر جانے کے سبب وہ اپنے خاندان کو مستقل فائدہ نہ پہنچا سکے،

بہر حال ایران میں اقتدار خلافت کے اولین منکر صفاری ہی تھے، انھوں نے خلیفہ کی سیاسی قوت گھٹانے کا عزم کر لیا تھا، خلفاء کی خوش قسمتی سے جس عہد میں یہ سرکشی پیدا ہوئی بغداد کے تخت پر موفق اور معتقد متکمن تھے، اور ان خلفاء کے ہاتھ صفاریوں کے

جو صلے شکست کرنے کے لئے کافی مضبوط تھے، خود صفاریوں نے خارجی اور شیعہ جماعتوں
 سے بیک وقت بگاڑ کر کے اپنی ہلاکت کا سامان مہیا کر لیا، دونوں بھائیوں نے شکستیں
 کھائیں اور مر گئے، ان کے ارادے ناکام رہے، لیکن اتنا ضرور ہوا کہ ماتحت حکمرانوں کیلئے
 دو امتیازاتِ خلافت جائز ہو گئے، یعنی خطبہ میں اور سکون پر ان کا بھی نام آنے لگا،
 اس کے علاوہ بغداد کو مستقل خراج دینے بغیر حکومت کرنے کی مثال قائم ہو گئی، غرض ایرانی
 میں خلافت کی سیاسی قوت شکست کرنے کے لئے سب سے پہلا قدم جس نے اٹھایا وہ
 یہی خاندان تھا، جو مراعات صفاریوں نے بجز حاصل کی تھیں بعدہ سامانیوں کے لئے خود
 خلیفہ کو اپنی طرف سے طوعاً یا کرہاً عنایت کرنا پڑی، اب آل سامان اور خلفاء کے تعلقاً
 دیکھنا چاہئیں،

چوتھا باب

خلافت اور سامانیہ کا پہلا دور

خلافت اور سامانیوں کے تعلقات قدرتی طور پر دو حصوں میں تقسیم ہو سکتے ہیں،^{۵۲۶۱}
 سے جب کہ حکومت بغداد سے ان کو براہ راست سابقہ پڑا،^{۵۳۳۳} تاکہ دور اول
 سمجھنا چاہئے، دوسرے دور کی ابتدا ^{۵۳۳۳} سے ہوتی ہے، جب کہ خلافت پر آل بویہ
 کے اقتدار کا آغاز ہوا، اور ^{۵۳۸۹} میں جب کہ محمود غزنوی کے ہاتھ سے سامانی حکومت
 ختم ہوئی، دور ثانی کا خاتمہ ہو جاتا ہے، دور ثانی میں ان کے اور خلفاء کے باہمی معاملات
 کیا تھے، آئندہ باب میں مذکور ہوں گے،

آل سامان ابتداً خراسانی سلطنت کے ماتحت تھے، خلافت کے ساتھ ان کو پہلا
 واسطہ یعقوب کی فتح خراسان کے بعد پڑتا ہے، جب کہ ^{۵۲۶۱} میں خلیفہ معتد کی طرف سے
 سامانی سلطنت کے بانی نصر کو ولایت ماوراء النہر کا جس پر وہ طاہریوں کے عہد سے متصرف
 تھا، جائز حاکم تسلیم کیا جاتا ہے، خلیفہ اجازت دے دیتا ہے کہ ماوراء النہر میں خطبہ سے یعقوب

کا نام خارج کر کے نصر کا نام داخل کیا جائے، چنانچہ خلیفہ کے ساتھ والی ریاست کا نام خطبہ میں شامل کرنے کا حق جو یعقوب نے بزور حاصل کیا تھا، سامانی امیر کو خود خلیفہ کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے،

۵۲۷۹ھ میں نصر کا انتقال ہو گیا، اس کے بعد اس کا بھائی اسمعیل مسند حکومت پر بٹھایا گیا، اور ۵۲۸۷ھ میں جب وہ عمر کو شکست دے چکا تو خراسان بھی جو وہ بزور شمشیر حاصل کر چکا تھا، ماوراء النہر کے علاوہ اس کے حدود حکومت میں داخل کر دیا گیا،

عمر کی شکست اور حکومت خراسان کی تفویض کے بعد سامانیوں کی طرف سے خلافت کو باقاعدہ کوئی خراج پہنچنے کا ثبوت نہیں ملتا، واقعہ یہ ہے کہ محمد بن طاہر کی شکست یعنی ۵۲۵۹ھ کے بعد خراسان کی ولایت پر جتنے مامور ہوئے ان میں سے خلیفہ کو پابندی

کے ساتھ خراج نہ کسی نے ادا کیا نہ کوئی ادا کرنا چاہتا تھا، بلکہ بعض حکام کے سرکشانہ رویہ کے سبب حکومت بغداد کو اکثر جنگ کے کثیر مصارف برداشت کرنے پڑے تھے، ان حالات میں خلیفہ کے لئے اس سے بہتر کیا صورت ہو سکتی تھی کہ صوبہ خراسان ایک

وفادار امیر کو سپرد کر دیا جائے اور شرائط وہی رہیں جو سرکش امیرون سے ملے ہوئے تھے، مشرق میں سونے کے سکے پر کسی امیر کا نام مسکوک ہونا، اعلان آزادی کے مترادف تصور

کیا جاتا ہے، چنانچہ ۵۲۹۵ھ کو سامانی خود مختاری کا سال آغاز سمجھنا چاہئے، کیونکہ اس سن کے طلانی سکے میں خلیفہ کے نام کے ساتھ امیر احمد بن اسمعیل سامانی کا نام مسکوک نظر آتا ہے،

قطعی طور پر ثابت ہے کہ ۵۳۰۶ھ میں سامانی خراج نہ دیتے تھے، کیونکہ مقتدر کے وزیر علی

ابن عیسیٰ کے لئے سند مذکور میں جو میزانیہ تیار کیا گیا تھا اس میں سامانی صوبوں یعنی خراسان اور ماوراء النہر سے کوئی خراج درج نہیں ہے، گویا اس وقت وہ تین حقوق جو صفاریوں نے خلافت سے بہ جبر حاصل کئے تھے، سامانیوں کو قطعی طور پر حاصل تھے، یعنی خطبہ اور سکے میں ان کا نام شامل ہوتا تھا، اور ملک کے محاصل پر کھیتے ان کا تصرف رہتا تھا، سامانی راسخ الاعتقاد سنی تھے، انھیں حکومت کے لئے خلافت کی سند درکار تھی، تاکہ حق سلطنت شرعی بنیاد پر قائم ہو جائے اور قانون فقہ کے مطابق احکام سیاست جاری ہو سکیں، اس مذہبی ضرورت سے مجبور ہو کر خلیفہ سے فرمانِ امارت طلب کرنا پڑا، حالانکہ جن ممالک کے لئے یہ اجازت مطلوب تھی ان پر آل سامان بحق تسخیر قابض ہو چکے تھے، خلافت سے فرمان کی درخواست کرنا ماتحتی کا اعتراف کرنا تھا، اور فرمان دینے یا لینے والے کی موت پر اس کی تجدید ضروری تھی، اس حق کے سبب قانوناً حکومت خلیفہ کے ہاتھ میں رہی، اگرچہ حاکم واقعی سامانی تھے، اس کے برخلاف خلیفہ کو امیر کے انتخاب میں کچھ دخل نہ ہوتا تھا، یہ انتخاب سامانی حکومت ہی کا حق تھا، ہر تاجپوشی کے بعد جدید امیر فرمانِ خلافت کی درخواست کرتا تھا اور خلیفہ باقاعدہ فرمانِ عنایت کر دیتا تھا،

خلفاء کا سیاسی اقتدار رو بہ زوال تھا، چنانچہ اس رسم میں تبریک اور تقدیس کا عنصر شامل کرنے کی غرض سے کبھی کبھی خلیفہ اپنے دست مبارک سے علم باندھ دیتا تھا، جہاں تک ہمیں معلوم ہے ایسے کسی فرمان کی نقل محفوظ نہیں، اور یہ بہت افسوسناک

ہے لیکن اس حلف و فاداری کی ایک نقل موجود ہے جو خلیفہ نے مسعود کو دیا تھا، اور اس کی عبارت سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ خلیفہ کا فرمان حکومت فرمان آزادی نہ ہوتا تھا تا کہ ماتحت امیر جس طرح چاہیں فرمانروائی کریں، ان امیرون کو چند سیاسی اور مذہبی ذمہ داریاں پوری کرنی ہوتی تھیں، اور اپنے فرائض بجا طور پر انجام دینے کے لئے شدید حلف لینے ہوتے تھے، یہ سچ ہے کہ ان امیرون کو قول کا پابند رکھنے والی کوئی قوت موجود نہ تھی، مگر بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اخلاقاً ان سے ایسے عہد کی توقع ہوتی تھی، بمعصرتین کہیں کنایت بھی اظہار نہیں کرتے کہ خراسان کی رائے عامہ خلافت سے ترک تعلق کرنا گوارا کر سکتی تھی،

جہاں تک داخلی نظم و نسق کا تعلق ہے، مرکزی حکومت سے سامانی قطعاً آزاد تھے لیکن ہر بغاوت، ہر فتح اور ہر تحریک کی اطلاع دربار بغداد کو روانہ کی جاتی تھی، اور مفروضہ یہ تھا کہ ہدایات خلافت کے مطابق سامانی امیر عملدرآمد کرے گا، مزید برآں اس کو خلفاء کی امداد مختلف طریقوں سے کرنا ہوتی تھی، مثلاً مرتدین کی سرکوبی، جہاد میں شرکت اور حجاج کا اہتمام وغیرہ،

طاہر بن محمد بن عمر صفاری ۲۸۸ ھ میں جب فارس میں داخل ہوا اور خلیفہ کے عامل کو ملک سے خارج کر دیا تو اسماعیل نے اس کو لکھا کہ صوبہ سیستان معہ مصافحات کے مجھ کو خلیفہ نے عنایت کیا ہے اور اس لئے تم کو اس کی تسخیر سے احتراز کرنا چاہئے، یہ خط دیکھ کر طاہر واپس ہو گیا، اور خلیفہ نے بدرنامی والی فارس میں مقرر کر دیا، ۲۹۶ ھ میں

احمد اسماعیل نے ایک مراسلہ کے ذریعہ سے بغداد کو اطلاع دی کہ سیستان فتح ہو گیا اور
 محمد بن علی بن لیث جو خلافت سے باغی ہو گیا تھا گرفتار کر لیا گیا، اس کے بعد دوسرا
 مراسلہ پہنچا کہ سبکدہری جس نے دربار بغداد کے خلاف منشا فارس پر تصرف کر لیا تھا، اسیر کر لیا گیا
 خلیفہ کے حسب الحکم دونوں قیدی بغداد کو روانہ کر دیئے گئے اور خلیفہ نے سامانی سفیروں
 کو والی صوبہ کے لئے خلعت اور جواہرات کے تحائف دے کر واپس کیا، ۳۰۹ھ/۶۹۲ء میں
 خراسان کا ایک قاصد علی بن نعمان دہلی کا سر بغداد لے کر بھیجا گیا، کیونکہ علی نے طبرستان
 میں خلیفہ کے خلاف سرکشی شروع کر دی تھی، اسی طرح ۳۳۰ھ/۶۹۲ء میں مکان بن کاکی کا
 سر بھی چند تحائف کے ساتھ بغداد کو روانہ کیا گیا،

سامانی امیر دربار خلافت کے تابع رہتے تھے کہ خود ان کے حقوق پر دست درازی
 ہوتی تو بھی خلیفہ کے مقابل نہ ہوتے، وہ ایسی کارروائیوں کو معاندانہ نظر سے نہ دیکھتے
 تھے، اور خلیفہ سے صلح و آشتی کے ساتھ جتنا حاصل ہو سکتا تھا اسی پر اکتفا کرتے تھے، ۲۵۹ھ/۶۹۰ء
 میں اسماعیل کے انتقال کے بعد پیرس کبیر جو دولت سامانیہ کی طرف سے صوبہ جات
 رے، طبرستان و جرجان پر مامور تھا، جب تمام وصول کردہ محال لئے ہوئے بغداد
 پہنچا تو مقتدر نے اس کا خیر مقدم کیا اور دیار بکر کی حکومت تفویض فرمائی، مگر آل سامان
 نے خلیفہ سے درگزر کی، اسی طرح ۳۰۳ھ/۶۹۵ء میں محمد علی بن سلک جو حاکم خراسان کا قریب
 کے رشتہ سے بھائی ہوتا تھا، پناہ ڈھونڈتا ہوا بغداد پہنچا اور خلیفہ نے اس کو نہ صرف
 پناہ دی بلکہ خلعت سے سرفراز فرمایا،

۳۰۱ھ میں نصر ثانی جب مندر حکومت پر پہنچا اور سیستان کے لوگوں نے علمِ نبیؐ
 ۶۹۱۳ء کے خلیفہ مقتدر کی اطاعت قبول کر لی تو خلیفہ نے صوبہ کی ولایت اپنے متوین
 کو سپرد کر دی، جنھوں نے سامانیوں کے حکام اور عاملوں کو پابہ زنجیر کر کے بغداد پہنچا
 دیا، پھر بھی سامانی امیرون نے اپنے شاہنشاہ کے خلاف کان نہ ہلایا، وہ سمجھتے تھے
 کہ اس قطعہ ملک کو جو بالعوض خراج ہمارے تصرف میں ہے، خلیفہ جس کو چاہے منتقل
 کرنے کا مجاز ہے،

ضرورت پیش آتی تو سامانی کفار سے جہاد کرتے، ۲۹۱ھ میں جبکہ ترکوں نے
 ماوراء النہر پر یورش کی تو اسمعیل نے مسلمانوں کو جہاد کے لئے آمادہ کیا، اور مجاہدین کی
 امداد سے ان کی قوت شکست کر دی، اس کا فتنامہ بغداد روانہ کیا گیا،

سامانی سنی مذہب کے پیرو تھے، اور اپنی قلمرو میں سنی جماعت کے خلاف جو تحریک اٹھتی
 اس کی مخالفت کرتے، ان کا سیاسی مفاد بھی اسی کا مقتضی تھا، ۲۸۹ھ میں جبکہ طبرستان
 کے حاکم محمد بن زیاد نے جرجان پر حملہ کیا تو محمد بن ہارون نے جس کو اسمعیل نے سپاہ
 بنا کر مامور کیا تھا، جرجان سے شیخان علی کو نکال دینے پر ہی بس نہ کیا، بلکہ خود طبرستان
 کو فتح کر کے سامانیوں کے زیر نگیں کر دیا، اور خلفائے بنو عباس کا نام خطبہ میں شامل
 کر دیا، ۲۹۰ھ میں محمد بن ہارون نے جس کو اسمعیل نے طبرستان کی حکومت سپرد
 کی تھی، اسمعیل اور خلیفہ دونوں سے بغاوت کی، اور خلیفہ کے خلاف انتشارے کے
 صوبے پر قبضہ کر لیا، خلیفہ کے حسبِ الحکم اسمعیل نے باغیوں سے ملک کو پاک کر کے

امن قائم کرنے کی کوشش کی، چنانچہ رے پر قبضہ ہو گیا، اور ادانگی خراج کے وعدے پر خلیفہ نے رے کا صوبہ بھی اسمعیل کو تفویض فرما دیا، سامانی سردارون مین کئی سردار قمر مٹی تحریک کے حامی بن گئے، آخر کار خود امیر نصر نے ان کی تلقین قبول کر لی، امیر کا یہ ارتداد علماء پر قدرتی طور پر شاق تھا، انھوں نے ترکی سپاہیوں سے امداد طلب کی، چنانچہ ترکی سپاہیوں نے امیر کو قتل کر کے سپہ سالار مسند حکومت پر بٹھانے کا ارادہ کر لیا، سازش کا سراغ لگ گیا اور امیر کے بیٹے نوح نے سازشیوں کے سرغنہ کو قتل کر دیا، مگر ساتھ ہی ساتھ نصر نے نوح کے حق میں جس بے دینی کا کوئی شبہ نہیں تھا، تخت سے دست برداری دے دی، نوح نے پہلے تو باپ کو پابہ زنجیر کرنے کا حکم دیا اور بعدہ دیگر ملحدین کو کیفر کردار کو پہنچایا، ان کی جائدادیں اور املاک حتیٰ کہ معزول امیر کے خزانے بھی صحیح العقیدہ مومنین کو منتقل کر دیئے گئے، آخر شیعہ جماعت کا خاتمہ ہو گیا، اور اس کا وجود محض مخفی گروہ کی حیثیت سے باقی رہ گیا، صفاریوں کی طرح سامانی بہت زیادہ الوالعزم نہ تھے، خلیفہ سے صلح و آشتی کے ساتھ جو مل جاتا اسی پر قناعت کرتے تھے، وہ چونکہ ایران کے سنی حکمرانوں میں سب سے زیادہ صاحب قوت تھے، خلیفہ کے انتخاب میں بھی ان کا مشورہ طلب کیا جاتا تھا، انھوں نے اپنے وفادارانہ طرز عمل سے وہ اعما و پیدا کر دیا تھا کہ خلیفہ خطرے کے وقت ان کے علاقے کو اپنے لئے آخری ما من متصور کرتا تھا، جس وقت مقتدر قمر مطیوں کے ہاتھ تنگ تھا تو علی بن عیسیٰ نے خلیفہ کو یہ مشورہ دیا تھا کہ اب کوئی واقعہ پیش آئے

تو حضور خراسان کے بعید ترین حصے میں چلے جائیں،

خلفاء نے بھی سامانی و فاداری کا دل کھول کر صلہ دیا، بلا کسی تکلف کے مرکزی حکومت سے ان کو وہ مراعات عنایت ہو جاتی تھیں جو دوسروں کے لئے ممنوع تھیں، خلافت کو ان کی وفاداری پر اتنا بھروسہ تھا کہ جب کوئی صوبہ بغاوت پر کمر بستہ نظر آتا تھا تو ہمیشہ ان ہی کو سپرد کیا جاتا، وہ بھی اپنا فرض یوں ادا کرتے کہ تمام فتنوں کو دباتے، ملک میں امن قائم کر دیتے اور پھر اگر حکم ہوتا تو زیر تصرف رکھتے ورنہ خلیفہ کو حوالے کر دیتے، مختصر یہ ہے کہ اس دور میں بغداد کے خلفاء اور سامانی امیروں کے باہم کامل موافقت اور اتحاد نظر آتا ہے،



پانچواں باب

آل بویہ کے دور میں خلا اور ایرانی فرمانرواؤں سے متعلق

آل بویہ جب بغداد پر قابض ہو گئے تو تاریخِ خلافت کا نیا باب شروع ہوا،
 آل بویہ سے پہلے ہی وہ امرا جو دربار بغداد میں سر بلند تھے، خلافت کو اختیاراتِ حکومت
 سے محروم کر چکے تھے، سکے جو امتیازاتِ سلطانی میں داخل ہے، تنہا خلیفہ کے ساتھ منسوب
 نہ رہا تھا، وزیر کے بہت سے اختیارات امیر الامراء کے معتمد کو منتقل ہو چکے تھے، حتیٰ کہ
 ممالکِ محروسہ سے جو محاصل وصول ہوتے تھے، وہ بھی براہِ راست خلیفہ کو نہیں پہنچتے تھے
 بلکہ ضروری اخراجات کے قابل ایک معینہ رقم خلیفہ کو دے دیجاتی تھی، مگر باہنہ
 خلیفہ کو اب بھی ملتِ اسلامیہ کا دینی اور دنیوی پیشوا تصور کیا جاتا تھا، احکاماتِ اسی
 کے نام سے جاری ہوتے تھے، وزیر کا انتخاب اسی کی مرضی سے ہوتا تھا، اور وزیر کی
 ہستی ناقابلِ التفات نہ تھی، بالخصوص اس حالت میں کہ امیر الامراء کا منصب بہت
 سے امیدواروں کا مقصود نظر رہتا تھا،

مگر آل بویہ کو حکومت پہنچنے کے بعد حالات اور بھی اتر ہو گئے، آل بویہ عباسیوں
 کی خلافت کے منکر تھے، وہ ان کو غاصب تصور کرتے تھے، اور سبب یہ تھا کہ بویہ
 شیعہ تھے، معز الدولہ کا خلافت کو تسلیم کرنا سیاسی مصالحت پر مبنی تھا، ابتدا میں اس کا
 اقتدار محفوظ نہ تھا، بغداد پر بلاخون نریزی کے قابض ہو جانے کے بعد اس کو اپنے حریف
 ہمدانیوں سے مقابلہ کرنا پڑا، جو پہلے ہی سے امیر الامراء کے منصب پر فائز تھے، قریب تھا
 کہ فتح کا پلہ ہمدانیوں کی طرف جھک جائے، مگر ۳۳۴ھ میں محض ایک تدبیر نے معز ^{دولہ}
 کو بغداد پر قابض رکھا، ہمدانیوں کے علاوہ اس کو قرقمطیوں اور بریدیوں سے بھی مقابلہ
 ہونا پڑا، معز الدولہ اس مخالفت سے بے خبر نہ تھا، چنانچہ اس کے نزدیک اہل بغداد
 کو جن میں سنیوں کی کثرت تھی منحرف کر دینا مناسب نہ معلوم ہوا، شاید اس کا خیال
 تھا کہ تصرف حاصل کرنے کے بعد عباسی خلافت کی بجائے علوی خلافت قائم کی جائے
 جس وقت مستحفی کی طرف سے اپنے خلاف سازش کرنے کا شبہ ہوا تھا تو اس نے
 مستحفی کو معزول کر کے خاندان علی کو خلافت منتقل کر دینے کا ارادہ ظاہر کیا تھا، مگر
 ایک درباری کے مشورے نے اس ارادے کی تکمیل نہ ہونے دی، اس نے کہا کہ
 یہ خیال قرین عقل نہیں، اس کے الفاظ یہ تھے "تمہارا گروہ عباسی خلیفہ کو اس منصب کا
 مستحق نہیں سمجھتا، اگر خلیفہ اور تمہارے درمیان اختلاف ہو اور تم خلیفہ کے قتل کا حکم
 دو تو بھی انہیں تمہیں میں تامل نہ ہوگا، لیکن علوی خلیفہ ہوگا تو یہی جماعت اس کے حکم
 پر تمہیں قتل کرنے سے بھی گریز نہ کرے گی" ان الفاظ کا معز الدولہ پر اتنا اثر ہوا کہ اپنی تجویز

سے دستکش ہو گیا، اس کو ذاتی مصلحت کا پاس منظور تھا، سیاسی مفاد مذہبی جذبات پر غالب رہا اور قرعہ فال پھر ایک عباسی خلیفہ مطیع کے نام پڑا، اس طرح عباسیوں کی خلافت کو اس گروہ نے تسلیم کر لیا جو ان کے استحقاق کا قائل نہ تھا،

نظم و نسق خلافت آل بویہ کے ہاتھ میں آیا تو امرا کا ایک مستقل اور موروثی منصب قائم ہو گیا، خلیفہ کے پاس جتنا اختیار رہ گیا تھا وہ بھی چھن گیا، اس سے پہلے خلیفہ کی امداد کے لئے ایک وزیر رہتا تھا اور امیر الامرا کے پاس ایک معتمد، مگر اب صورت برعکس ہو گئی، وزیر کا تقرر خلیفہ کے اختیار میں نہ رہا، وزیر اور صوبہ داروں کے انتخاب میں امیر کا دخل اصولاً مسلم ہو گیا، خلیفہ مستحق کو پانچ ہزار درہم یومیہ بطور گزارہ دیئے جاتے تھے، مگر اس کے جانشین مطیع کے لئے یہ رقم صرف دو ہزار رہ گئی، اور وہ بھی امرا کے کرم پر منحصر تھی، اس کا ذاتی علاقہ جس سے دو لاکھ دینار سالانہ کی آمدنی تھی، ایک معتمد کو سپرد کر دیا گیا، مگر گزارہ کی رقم کی طرح یہ آمدنی بھی بویہ امرا کی مرضی کے تابع تھی، وہ چاہتے تو اس کو ضبط کر لیتے، کبھی کبھی جب کہ امرامالی مشکلات میں گرفتار ہوتے تو خلیفہ سے یہ مطالبہ کیا جاتا کہ صرف خاص سے کچھ رقم خزانے کو عنایت کرے، خلفا معزولی سے ڈرتے تھے اور ایسے مطالبوں کو رد کرنے کی جرأت نہ رکھتے تھے

مختلف ولایات اور صوبہ جات میں جہان کے حکمران خلافت کی مذہبی حیثیت تسلیم کرتے تھے، اور عیدین کے خطبوں میں خلیفہ کا نام پڑھتے تھے، اور جیسا کہ باب اول میں مذکور ہوا یہ اس امر کی علامت تھی کہ خود مختار اور آزاد فرمانروا بھی خلیفہ کو مذہبی

پیشوا مانتے تھے لیکن بوہی دور سے پہلے بغداد کا خطبہ خلیفہ کے سیاسی اقتدار پر بھی دلالت کرتا تھا بوہی عہد میں یہ امتیاز بھی ختم کر دیا گیا، اور خلیفہ کے ساتھ امیر کا نام شامل ہونے لگا، عضد الدولہ اس بدعت کا بانی ہوا، بعدہ یہ رسم بوہی امرا کا مستقل شعار بن گئی، یہ صحیح ہے کہ اس رسم کا ترک و اختیار زیادہ تر اہل قوم پر موقوف تھا نہ امیر یا خلیفہ پر، لیکن عضد الدولہ کی چیرہ دستی اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ اس نے اپنے زیر تصرف علاقوں میں دو ماہ کا مل تک خلیفہ طائع کا نام خطبے میں نہ آنے دیا، دستور تھا کہ بوہی امیر خلیفہ سے اپنا نام شامل ہونے کی درخواست کرتا تھا اور یہ درخواست اکثر منظور ہو جاتی تھی، خطبے میں نام شامل ہونا اس حقیقت کی سب سے بڑی علامت سمجھی جاتی تھی کہ خلیفہ نے امیر کو تسلیم کر لیا ہے، چنانچہ خلیفہ کے نام کے بعد امیرون کے نام جس ترتیب سے پڑھے جاتے تھے اس پر بھی خاص توجہ کی جاتی تھی، شرف الدولہ اور اس کے بھائی صمصام الدولہ کے درمیان جو صلح ہوئی اس کی ایک شرط یہ تھی کہ بغداد کے خطبے میں اول الذکر کا نام خلیفہ کے بعد اور صمصام الدولہ کے نام سے پہلے پڑھا جائے گا، خطبے سے اگر کسی امیر کا نام خارج ہو جاتا تو اس کے یہ معنی تھے کہ بغداد میں اس کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا، جلال الدولہ کا نام بار بار خارج ہونا اور پھر شامل کیا جانا اس واقعہ کا ثبوت ہے،

ان تمام صوبوں میں جہاں بوہیوں کو حکومت حاصل تھی، خلیفہ کے ساتھ صرف بغداد کے امیر الامر کا ہی نام شامل نہ ہوتا تھا، بلکہ بوہی خاندان کے دیگر امیرون کے

نام بھی پڑھے جاتے تھے، مگر دوسرے صوبوں میں جو بویہی اثر سے آزاد تھے، بویہی امیرون کا خطبے میں ذکر نہ آتا تھا، بلکہ شرعی پیشوائی تسلیم کرنے کے لئے صرف خلیفہ کا ہی نام پڑھا جاتا تھا۔

سکون کے معاملے میں آل بویہ صرف خلیفہ کے سہم و شریک ہی نہ تھے، بلکہ اس امتیازِ خلافت کو اپنا اجارہ بنا چکے تھے، اور اس حد تک کہ خلیفہ کے نام کے بعد "امیر المؤمنین" کا لقب بھی متروک کر دیا گیا تھا، خلیفہ کا تو صرف نام سگے کی پشت پر مضروب ہوتا تھا، مگر امیر کے تمام خطابات اور کنیت بھی بغداد کے سکون پر نظر آتے تھے، یہی نہیں بلکہ بویہی خاندان کے سرخیل اور کلبی کلبی و یسعد کا نام بھی مرقوم ہوتا تھا، دار الضرب پر بویہیوں کا براہِ راست تصرف تھا، اس لئے سکون پر ان کے نام کے ساتھ ایسے خطابات بھی لکھ دیئے جاتے تھے جو خلیفہ کی طرف سے کبھی نہ ملے تھے، یہ واقعہ دیکھنے سے خالی نہیں کہ بغداد کے بعض سکون پر "شاہنشاہ" کا خطاب بھی نظر آتا ہے، حالانکہ جلال الدولہ سے پہلے یہ لقب کسی بویہی کو ملنا تاریخ سے ثابت نہیں، اور اس قول کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ جب جلال نے ملک الملوک کے لقب کی درخواست کی تھی تو ایک نزاعی مسئلہ پیدا ہو گیا تھا اور نتیجہ یہ ہوا تھا کہ اس لقب کے جواز و عدم جواز کا فیصلہ کرنے کے لئے قاضیوں کی عدالت ترتیب دی گئی تھی، سکون کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عنانِ اختیار کلبی امیر کے ہاتھ سے نکل کر خلیفہ کو ملتی تھی اور کلبی خلیفہ سے امیر کو طاقویر امیرون کے دور میں خلیفہ کا نام پشت پر مسکوک

نظر آتا ہے، اور کمزور امرا کے عہد میں روئے سکہ پر، بوسہی طاقت کو زوال ہو گیا تو خلیفہ
 قادر نے بغداد کے مضروب سکون پر اپنے بیٹے کا نام بھی لکھوا دیا،

شانِ خلافت کا ایک اور امتیاز نوبت اور نقارہ تھا جو خلیفہ کی ڈیوڑھی پر نما
 کے اوقات پر بجاتا تھا، عضد الدولہ نے اس خصوصیت پر بھی چھا پہ مارا، اور خلیفہ کو
 مجبور کر کے اپنی ڈیوڑھی پر خبر، مغرب اور عشا کے وقت تین مرتبہ نوبت بجے کا حکم صادر
 کر لیا، اس کے بعد ڈیوڑھی پر نوبت اور نقارہ رکھنا بوسہی امیروں کا معمول ہو گیا،
سلطان الدولہ اور جلال الدولہ نے تین مرتبہ کی بجائے پانچ وقت نقارہ نوازی
 شروع کرادی اور خلیفہ کا احتجاج کچھ کام نہ آیا،

آل بویہ حکومت کے بھوکے ضرورتوں پر بھی خلیفہ کی قانونی حیثیت برقرار رکھنا
 قرین مصلحت سمجھتے تھے، چنانچہ خلافت اور امارت کے ہر تغیر پر سند عطا ہونے کی رسم
 بحال قائم رہی، اس میں شبہ نہیں کہ یہ کارروائی محض رسمی ہوتی تھی، کامیاب حریف
 کو سند عنایت کرنے پر خلیفہ مجبور تھا، تاہم اس کی اہمیت نظر انداز نہیں کی جا سکتی، اہل
 ملک کو مطمئن کرنے کے لئے اس رسم کا ادا کرنا ناگزیر تھا، ایک مثال بھی ایسی نہیں
 ملتی جب کہ کسی بوسہی امیر نے خلیفہ سے سند کی استدعا نہ کی ہو، بالعموم ایک باطن
 مجلس منعقد کی جاتی تھی، جس میں اعیان سلطنت اکابر دربار سردارانِ عسکر قاضی اور
 فقیہ جمع ہوتے تھے، فرمانِ خلافت پانے والا بڑی متانت اور عاجزی کے ساتھ
 حاضر ہوتا تھا، خلیفہ کے دست مبارک کو بوسہ دیتا تھا اور برسم تعظیم خلعت کو سر پر

رکھ لیتا تھا، اس کے بعد فرمان کی عبارت بہ آواز بلند پڑھی جاتی تھی، خلیفہ اور امیر باہم حلف لیتے تھے، اول الذکر دوستی کا عہد کرتا تھا، تو دوسرا وفاداری کی قسم کھاتا تھا، عوام کی نظر میں اس سند کی وہ اہمیت تھی کہ اس زمانہ میں بغیر اس اجازت کے کسی امیر کے لئے مستقل حکومت قائم کرنا ناممکن تھا، غاصبون اور رقیب مدعیوں کا فیصلہ اسی کی بنا پر ہوتا تھا، مگر آل بویہ کے وزین ہر چیز حکمران امیر پر منحصر تھی، اس کی منشا کے خلاف خلیفہ کوئی پروا نہ حکومت عطا نہ کر سکتا تھا، حقیقت یہ ہے کہ بہت سے حاکم اور غاصب خلیفہ کی بجائے بویہ امیر سے رجوع کرتے تھے، اور بعض اوقات خلیفہ کو بادلِ ناخواستہ فرمان عنایت کرنا پڑتا تھا، لیکن امیر الامرا یا کوئی طاقتور بویہ چاہتا تو اس سند کو ردی کاغذ بنا سکتا تھا، جب کہ بختیار کو فخر الدولہ سے مصاحبت کی تمنا تھی، تاکہ عضد الدولہ کے خلاف

فخر الدولہ کی مدد مل سکے تو اس نے خلیفہ طائع سے دو فرمان حاصل کئے، ایک خود اپنے حق میں اور دوسرا اپنے سردار سہلان بن مسافر کے نام، ان فرامین کے رو سے بختیار اور سہلان عضد الدولہ کے نائبین کی حیثیت سے نہیں بلکہ براہ راست خلیفہ کے صوبہ داروں کی حیثیت سے اپنے علاقے کے حاکم قرار دیئے گئے، سہلان کو عصمتہ الدولہ کا خطاب بھی عنایت ہوا، اور نام میں کنیت کا اضافہ ہو گیا، مگر عضد الدولہ کے خوف سے بختیار اور سہلان اتنی جرات نہ کر سکے کہ خلعت زیب تن کر لیتے نہ سہلان نے کبھی خطاب نام کے ساتھ الحاق کیا،

خلیفہ کا ایک اور اختیار خصوصی اعزاز و مناصب کی بخشش تھا، یہی ایک چیز رہ گئی تھی جس سے خلفا کسی امیر کی خوشنودی حاصل کر سکتے تھے، خلیفہ سے بلند آہنگ خطابات

کی تقسیم میں محتاط تھا، ہر فرد کے لئے مناسب خطاب کی تجویز میں بڑی جدت طرازیان دکھائی جاتی تھیں، خلیفہ کی طرف سے کسی امیر کا نام معہ کنیت کے مرقوم ہونا بھی ایک عزت تھی، اور بعض اوقات بلند مرتبہ سردار اس عزت کے لئے مصر نظر آتے تھے، اس باب میں بھی بویہی امرا کا اثر خلفاء پر اتنا تھا کہ بڑے بڑے بلند خطاب جو ان کی آپلٹ سے کہیں بالاتر تھے حاصل کر لیتے تھے، اس کے برعکس سامانی امرا کو جو ہم عصر امیرون میں سب سے زیادہ خلافت کے وفادار تھے، خلیفہ ایک خطاب بھی نہ دے سکا، حالانکہ سامانیوں کو نوازنا وہ دل سے چاہتا ہوگا، دستور یہ تھا کہ خطاب کی استدعا براہ راست خلیفہ سے نہیں بلکہ بویہی امیر کی خدمت میں پیش کی جاتی تھی، اور بویہی امیر مطلوبہ خطابات اپنے محبوب اشخاص کے لئے حاصل کر لیتا تھا، اس کے ساتھ ہی ساتھ آل بویہ نے ایک نیا دستور یہ بھی شروع کر دیا تھا کہ خلیفہ کے دیئے ہوئے خطابات کو ناکافی سمجھ کر اپنے لئے خود خطاب تجویز کر لیتے تھے،

سیاسی مصلحتوں کی بنا پر آل بویہ بہت سے اہم احکامات خلیفہ کے نام اور اس کی نمر سے جاری کراتے تھے، اور یہ نمر خود خلیفہ کے قبضہ میں رہتی تھی، مختلف صوبوں کے حاکموں سے جو مراسلت ہوتی تھی اس پر بھی خلیفہ کے دستخط ضروری تھے، اسی طرح شخصیں مال گذاری کے سلسلہ میں عمال جو پٹے لکھتے تھے ان پر بھی خلیفہ دستخط کرتا تھا، لیکن یہ کارروائی صرف ضوابط کی رسمی خانہ پوری معلوم ہوتی ہے، امیر اپنے حسبِ منشا جو انتظام چاہتا کرتا تھا اور کاغذات خلیفہ کے دستخط کے لئے بھیجتا تھا،

آل بویہ چونکہ شیعہ تھے، انھیں عباسی خلفاء کا احترام مد نظر نہ رہتا تھا، یہی سبب تھا کہ انھوں نے خلفاء کے ساتھ ایسا ذلیل برتاؤ رکھا، ان ہی کے عہد میں یہ واقعہ دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض تقریبات میں خلیفہ بہ نفس نفیس امیر سے ملنے جاتا تھا، اسی دور میں خلیفہ منتخب کرنے کی رسمی کارروائی بھی متروک ہو گئی، آل بویہ خاندان شاہی میں سے جس کو چاہتے خلیفہ نامزد کر دیتے تھے، اور جب چاہتے اس کو تاج و تخت سے محروم کر سکتے تھے،

آل بویہ کے دور میں خلیفہ کی جو حیثیت تھی اسکی بہترین منظر خلیفہ مطیع (۳۳۷-۳۳۶ھ) کی تقریر ہے۔
 نے مطیع سے درخواست کی تھی کہ جہاں کے مصارف کیلئے جیب خاص سے کچھ امداد فرمائیے، اس کا مطیع نے جو جواب دیا وہ یہ ہے: "حکومت میرے ہاتھ میں ہوتی، مال اور لشکر پر میرا اختیار ہوتا تو جہاد بھی مجھ پر فرض تھا، اب تو کیفیت یہ ہے کہ میرا حصہ بس ایک معمولی روزیہ ہے اور وہ بھی ضروریات کے لئے ناکافی، سلطنت کے مالک تم ہو یا صوبوں کے حاکم، جہاد صحیح، یا کسی کاروبار حکومت سے مجھے واسطہ نہیں، میرے پاس کچھ رہ گیا ہے تو صرف یہ نام جو تمہاری مساجد میں تمہاری رعایا کو مطمئن رکھنے کے لئے خطبوں میں دہرایا جاتا ہے، تم اس حق کو بھی چھیننا چاہتے ہو، تو میں اس کے لئے بھی حاضر ہوں اور ہر چیز تمہارے لئے چھوڑ سکتا ہوں۔"

کوئی شک نہیں کہ یہ الفاظ انتہائی عالم بایں میں ایک ناروا مطالبہ سے مفرح حاصل کرنے کے لئے لکھے گئے تھے، مگر ان سے ظاہر ہے کہ خلیفہ اپنے فائدہ ندان دولت کا کس قدر محکوم تھا، تاہم یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ خلفاء کی تنگدستی اس حد تک پہنچ گئی تھی، یہی خلیفہ جو حج اور جہاد

کے لئے اپنی دولت کا کوئی جزو علیحدہ کرنا نہ چاہتا تھا، تین محل تعمیر کراتا ہے جن کی وسعت کا یہ عالم تھا کہ مابعد صدی میں مطمع کے یہ تین محل اور تاج نامی قدیم مجلسرا کے کھنڈر جن کے نواح میں یہ قصر بنائے گئے تھے، مشرقی بغداد کے ایک نلث رقبہ پر مشتمل بنائے جاتے تھے،

یہ صحیح ہے کہ خلافت بغداد ایک ناچیز حقیقت رہ گئی تھی اور خلفاء کے یہ شععی آقا ان کی اہمیت قطعاً نظر انداز کرتے تھے، لیکن سنی جماعت کے سر تاج ہونے کی حیثیت سے خلیفہ کو وہ وقار حاصل تھا کہ خود بوہی اپنی بہنیں اور بیٹیاں نذر کرنا فرما سکتے تھے، حالانکہ اس قرابت کا بدلہ انہیں فاندانِ خلافت کی طرف سے کبھی نصیب نہ ہوا۔ پیشوا اہل سنت ہونے کی حیثیت سے بہت سے خود اختیار سنی سلاطین کے وفود ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، خلیفہ سے خلعت اور سند حکومت حاصل کرتے تھے اور مختلف مواقع پر گراہنا نذرین پیش کرتے تھے، اسی حیثیت سے زائرین مکہ سے سفر آیاوا کے وقت خلیفہ خطاب کرتا تھا خود بوہی امر اعوام کے قلوب پر خلیفہ کی شان و شوکت کا نقش بٹھانا مناسب سمجھتے تھے اور خاص خاص مواقع پر بڑے تزک و احتشام کی نمائش کرتے تھے، مسلم فرما زرواؤن کی نگاہ میں خلیفہ کا وقار قائم رکھنے کے لئے ان سے یہ اصرار کرنا کہ اپنے ممالک میں خطبے اور سکے میں خلیفہ کے نام کو جگہ دے کر اعترافِ اطاعت کریں، بوہی امیر اپنا فرض جانتے تھے،

داد و انصاف کے علاوہ قاضی کے فرائض میں یہ بھی داخل تھا کہ ایسے شاہدوں کی

فہرست مرتب رکھیں، جن کی ثقافت مسلمہ ہو، اس فہرست کی ترتیب میں قضاۃ بڑے اہم سے کام لیتے تھے، ہر شاہی کے بعد جدید اضافے کئے جاتے تھے، اور نامناسب نام خارج کر دیئے جاتے تھے، ان ثقافت میں سے ایک تعداد ایسی منتخب کی جاتی تھی جو قضاۃ کی امداد کے لئے مامور ہوتی تھی، ان معاونین کا تقرر قاضی کرتا تھا اور جب قاضی برطرف یا ملازمت سے دستکش ہوتا تو اس کے مقرر کئے ہوئے نائبین بھی اپنے عہدوں سے علیحدہ ہو جاتے، نائبین کے انتخاب میں قضاۃ اہل سیاست کا اثر نہ قبول کرتے تھے، اس کے ثبوت میں یہ واقعہ پیش کیا جاسکتا ہے کہ عضد الدولہ کے میر شکر نے عضد الدولہ سے ایک مرتبہ خواہش کی کہ ایک خاص شخص کا نام فہرست ثقافت میں شامل کرنے کے لئے قاضی کو ہدایت کر دی جائے، مگر عضد الدولہ نے جواب دیا کہ کسی سپاہی کی سفارش کرنا چاہو تو کرو، ثقافت کی فہرست بنانا قاضی کا کام ہے جس میں نہ مجھے دخل ہے نہ تمہیں، صرف خلیفہ بحیثیت امام شرعی کے حق رکھتا تھا کہ مشتبہ اشخاص کو فہرست سے خارج کرادے، تاہم بعض اوقات جبکہ قاضی پر حکمران امیر اثر ڈالتا تھا تو قاضی کو خطرات کا سامنا ہوتا تھا، اور ایسی صورت میں اکثر باہمی تصفیہ سے اختلاف کا خاتمہ کیا جاتا تھا،

مساجد کے امام براہ راست خلیفہ کے ماتحت تھے اور اسی کے احکام کی تعمیل کرتے تھے، یہ سچ ہے کہ بوہی امیر جب چاہتے احکام خلافت کی تعمیل نہ ہونے دیتے، لیکن بالعموم عوام کی ناخوشی کا خوف ان کو مداخلت سے باز رکھتا تھا، مساجد کے اماموں کی یہ ذمہ داری بھی تھی کہ خطبہ میں کوئی بدعت راہ نہ پاسکے، ۱۰۲۹ھ میں کرخ کے شعی

اصحاب نے خطبہ میں کچھ ترمیم کر دی تو خلیفہ نے ایک خطیب مقرر کر دیا، اول تو اس خطیب کو پتھر مارے گئے اور نماز روک دی گئی، مگر بعد سرغنہ اصحاب نے معافی چاہی اور بدستور سابق خلیفہ کے نام کے ساتھ خطبہ پڑھنے کی اجازت طلب کی، چنانچہ اجازت دیدی گئی مذہبی امور ہنوز خلیفہ کے اختیار میں تھے، اس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ خلیفہ قائم ۲۶ ۵۴ ۳۲ ۶۱۰ جب جلال الدولہ سے خفا تھا تو جلال کے ہوش درست کرنے کیلئے اس نے قاضیوں، فقیہوں، اماموں اور نحاح خوانوں کے نام احکام جاری کر دیئے تھے کہ اپنے اپنے کار منصبی سے باز رہیں،

یہ دور انحطاط تھا جب کہ علی بن محمد الماوردی نے (۳۸۱ ۵۳۱ تا ۵۰۵ ۶۱۰) جو سزا فقہائے اسلام میں شمار ہوتا ہے منصب خلافت کی شرعی اور قانونی حیثیت کو باقاعدہ تشریح کے ساتھ نمایاں کیا، اس مسئلہ کی اشاعت سے جو واقعات اور عمل سے اس دور میں اختلاف رکھتا تھا، مصنف کا مقصود شاید یہ ہو کہ اس وقت آل بویہ کے علاوہ جو شیعہ ہونے کے سبب خلیفہ کا چند ان احترام نہ کرتے تھے، خود مختار سنی حکمران بھی سیاسی ضروریات کی بنا پر خلفائے بغداد کی ہستی نظر انداز کرنے لگے تھے، ان حالات میں اندیشہ تھا کہ منصب خلافت ہی نابود نہ ہو جائے، سنی و ایلیان ملک کے باہم ایک مشترک پیشوا کی اطاعت سے گو وہ اطاعت برائے گفتن ہی باقی رہ گئی تھی، رشتہ اتحاد قائم تھا، اس وقت خطرہ تھا کہ یہ رشتہ شکست ہو کر ملت اسلامیہ میں اتحاد کی نمود بھی مٹ جائے گی، ممکن ہے کہ ماوردی نے سیاسیات اسلامیہ پر یہ تصنیف خلیفہ کی تحریک سے شروع کی ہونا کہ

بویہی امرا سنی رعایا اور آزاد مسلم تاجداروں کو معلوم ہو جائے کہ باوجود اس ضعف کے جو
 اس وقت خلافت پر طاری ہے، خلیفہ کی اہمیت اور اس منصب کی ضرورت کیا ہے،
 مگر اغلب یہ ہے کہ خلافت کی انتہائی بے بسی ہی اس تالیف کی محرک ہوئی ہوگی
 اور مقصود یہ ہوگا کہ مسلم قوم کی اہلسنت جماعت کو جتا دیا جائے کہ خلافت اسلامیہ محض
 سیاسی واقعات کا اتفاقی نتیجہ تھی جس کے متعلق سمجھ لیا جائے کہ زندگی کے دن پورے
 کر چکی، بلکہ اس کے برخلاف خلافت خدا کے قائم کئے ہوئے شعائر اور ملت اسلامیہ
 کے ضروری ارکان میں داخل تھی یہ سمجھنا کہ باور ہی جیسے ذی ہوش مصنف نے یہ رسالہ محض
 عقائد کے چنبلی میدان میں مشقِ قلم کرنے کے لئے لکھا ہو قرین عقل نہیں ہو سکتا، چنانچہ
 مصنف دکھاتا ہے کہ خلافت کو کیا ہونا چاہئے، وہ خلیفہ کی اس ناتوان اور حقیر حالت
 کا جو بویہی امیرون کی محکومی میں نظر آتی تھی ذکر نہیں کرتا لیکن تمام سنی فقہاء کی طرح وہ
 اس الزام کے خلاف کہ سنی جماعت گمراہی میں پڑی ہوئی تھی، ضرور استدلال کرتا ہے
 لہذا مجبوراً اس کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ بہت سے ایسے افعال کو جو کسی حد تک
 اسلامی مطمح نظر سے متصادم ہوتے تھے، شرعاً جائز قرار دے، چنانچہ حالاتِ گرد و پیش
 کو دیکھتے ہوئے وہ دنیوی حکمرانوں کا ایک طبقہ قائم کرتا ہے، اور اس طبقے کا نام امرا مستور
 رکھتا ہے، اس صنف میں بویہ اور غزنویہ جیسے آزاد فرمائرو داخل سمجھے جاسکتے ہیں، لیکن
 وہ اس گروہ کا دائرہ محدود کر دیتا ہے، اور اصول شریعت سے تطابق پیدا کرنے کے لئے
 چند شرائط قرار دیتا ہے، جن کے پورے ہونے کے بعد ایسے حکمرانوں کا ادعاے سلطانی

جائز تصور کیا جاسکتا ہے،

ماوردی کے بقول وہ امیر ہے جو خلیفہ کی اجازت اور اطلاع کے بغیر بزور شمشیر کسی حصہ ملک پر تسلط حاصل کر لیتا ہے، اور خلیفہ حصول حکومت سے باز نہ رکھ سکے کے باعث ان مقبوضات کا تمام نظم و نسق اس کو سپرد کر دیتا ہے، ماوردی کہتا ہے کہ اس صورت میں امیر مذکور مستقل حاکم سمجھا جائے گا، لیکن خلیفہ یا امام مذہبی قیادت کے سبب امور شرعی اور احکام دینی کا مصدر اور سرچشمہ رہے گا اور اس صورت سے ایک غیر شرعی اور ناجائز امارت، جائز اور حد و شرع میں داخل ہو جائے گی، اس قسم کے غاصب کو حکومت تفویض ہونے سے قبل مصنف کے نزدیک سات شرائط کی پابندی ضروری ہے،

۱۔ ملت اسلامیہ کو مذہبی پیشوا ہونے کی حیثیت سے خلیفہ کا جو احترام واجب ہے

اس کو امیر مذکور ملحوظ رکھے،

۲۔ جہاں تک امور مذہبی کا تعلق ہے وہ بالاعلان خلیفہ کی اطاعت قبول کرے

تاکہ اختلاف کا گمان کہی نہ ہو سکے،

۳۔ خلیفہ کے ساتھ دوستی اور مرافقت کے تعلقات رکھے اور اغیار کی نگاہ میں

اسلام کی عزت قائم رکھنے کے لئے ملت اسلامیہ کے مشترک مقاصد میں خلیفہ کی اعانت کرے

۴۔ مذہبی حقوق کی حفاظت کرے اور کوشش کرے کہ ان حقوق کے متعلق احکام

اور فتویٰ پس پشت نہ ڈال دیئے جائیں،

۵۔ ملک کے محاصل آئین شریعت کے مطابق وصول کرے، اور اس باب میں عدل و

انصاف سے کام لے،

۶۔ اس امر کی نگرانی کرے کہ حدودِ سیاست دیانتداری کے ساتھ جاری کیجاتی ہیں

۷۔ اسلام کی حفاظت اور حمایت فرض سمجھے اور ممنوعات سے پرہیز کرے، اگر دیکھے

کہ رعایا احکامِ مذہبی کی پابند نہ ہو تو اس کے دینی حقوق میں مداخلت نہ کرے، اور اگر لوگ

مذہب کی طرف سے لاپرواہوں تو اسلام کی طرف دعوت دے،

پیشتر مذکور ہو چکا ہے کہ آلِ بویہ شیعہ ہونے کے باعث خلافتِ عباسیہ کا مذہبی تقدیر

تسلیم کرتے تھے نہ اس کا احترام ملحوظ رکھتے تھے، چنانچہ وہ فرائض جن کا تعلق خالص مذہبیت

سے تھا، انہوں نے کبھی پورے نہ کئے، یہ ظاہر وہ مسندِ خلافت کی عزت کرتے تھے اول

لوگوں کی نگاہ میں اس کا احترام قائم رکھنے کے لئے ساعی رہتے تھے، مگر یہ طرزِ عمل سیاسی

مصلحتوں پر مبنی تھا، ان کے بعض افعال نے خلافت کو اور بھی زیادہ حقیر کر دیا، جو بغداد

کے اہل سنت کو ناگوار گزارا،

جس وقت معزالدولہ نے بغداد میں تسلط قائم کر لیا، تو اس نے شیعہ جماعت کو

جس کی تعداد بہت قلیل تھی، ابھارنا شروع کر دیا اور سنیوں کے کثیر التعداد فرقہ کو نظر انداز

کرنا شروع کر دیا، حکومت کی ہمت افزائی سے شیعہ اتنے جرمی ہو گئے تھے کہ ^{۳۵۱ھ} _{۶۹۶ھ}

میں انہوں نے اہلسنت کی مساجد اور مکانات پر بخرط علی یہ عبارت لکھ دی "معاویہ بن

ابی سفیان پر جس نے خلافت کو غصب کیا، اور ان لوگوں پر جنہوں نے فاطمہ سے فدک

چھین لیا، اور ان لوگوں پر جنہوں نے حسن کو نانا کے پہلو میں دفن نہ ہونے دیا، اور ان

لوگوں پر جنھوں نے ابو ذر غفاری کو جلا وطن کیا، اور ان لوگوں پر جنھوں نے ابن عباس کو مجلس شوری سے نکال دیا، خدا کی لعنت ہو۔

جب معلوم ہوا کہ رات میں یہ عبارت منادی گئی ہے تو معز الدولہ کو مشورہ دیا گیا کہ ان تحریروں کی بجائے یہ الفاظ کہ "اہل بیت رسول خدا کے ساتھ جنھوں نے ظلم کیا ان پر خدا کی لعنت ہو۔" لکھا دیئے جائیں اور اس عبارت میں بجز معاویہ کے کسی کا نام نہ لکھا جائے،

اگلے سال ۵۲ھ میں معز الدولہ نے عاشورہ محرم منانے کی بنا ڈالی، اس روز تمام دوکانات اور بازار بند رکھنے کا حکم دیا گیا، لوگوں کو غم شہادت میں پشمینے کے پیرہن پہننے کی ہدایت ہوئی، اور عورتوں کو مجبور کیا گیا کہ بال بکھیرنے پر سیاہ کئے اور ماتم حسین میں سر پہنتی ہوئی شہر اور مصافحہ شہر کا گشت لگائیں شیعہ جماعت کا دوسرا اہم تیوہا عید غدیر بھی بڑی مسرت اور نشاط کے ساتھ منائی گئی، سرکاری عمارتیں چراغان کنگین اور رات بھر بازار کھلے رہے، خلیفہ ان بدعتوں کو جو سنیوں کے جذبات مجروح کرتی تھیں روک نہ سکا، کیونکہ معز الدولہ کشتی حکومت کا نا خدا تھا، اہلسنت دل ہی دل میں کڑھتے رہے اور شیعہ جماعت یہ مراسم ادا کرتی رہی،

خلیفہ کے مذہبی فرائض میں سب سے زیادہ اہم جہاد اور حج کا انتظام تھا، مگر بوجہ یہی دور میں یہ خدمات بھی فراموش کر دی گئی تھیں، خلیفہ تو یہ کہہ کر اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاتا تھا کہ یہ فرائض ان پر عائد ہوتے ہیں جنھوں نے سلطنت کے نظم و نسق کی ذمہ داری

لی ہے، دوسری طرف آل بویہ ان امور کی طرف اعتنا نہ کرتے تھے، کیونکہ وہ شیعہ تھے اور ان خدمات کو سرانجام دینے میں بجز صرف کے ان کو کسی ذاتی منفعت کی امید نہ ہو سکتی تھی،

عدم ذمہ داری کے اس عہد میں بالخصوص جب کہ حمدانی ایک طرف تو رومیوں اور دوسری طرف آل بویہ سے دست و گریبان رہتے تھے، رومیوں کو مسلم مقبوضات پر پوریشن کرنے اور مسلمانوں کے جان و مال کو کثیر نقصان پہنچانے کا موقع ملا، بجز خلیفہ اور آل بویہ کے ان کے مظالم سنکر ہر مسلمان کا دل ٹرپ جاتا تھا۔ ۳۶۱ھ میں جبکہ رومیوں نے نصیبین پر حملہ کیا اور شہر پر قابض ہو گئے تو ساری بستی کو تذر آتش کر دیا، مردوں کو تہ تیغ کیا اور بچوں کو قید کر لیا، اس وقت دیار ربیعہ اور دیار بکر سے بہت سے مسلمان بغداد پہنچے اور مسجدوں اور بازاروں میں کھڑے ہو کر مسلمانوں کو تلواریں اٹھانے کی دعوت دی، اس مرتبہ ضرور بغداد کے کچھ مسلمان ان کے شریک ہو گئے، سب مل کر خلیفہ مطیع کے محل تک پہنچے اور کھڑکیاں توڑ کر حضورِ خلافت میں باریابی حاصل کی، انھوں نے گستاخانہ الفاظ میں اس سے کہا کہ امام کے ذمہ خدا نے جو فرائض رکھے ہیں ان کو انجام دینے کی تم اہمیت نہیں رکھتے، بغداد کے چند سربراہ اور وہ لوگ بختیار کے پاس بھی پہنچے، بختیار اس وقت بہ ظاہر تو شہد کی زیارات کے لئے، مگر دراصل شکار کھیلنے باہر گیا ہوا تھا، اس وقت نے بختیار سے جو الفاظ کہے وہ یہ تھے،

تم مسلمانوں کے مفاد کی پروا نہیں کرتے، اور بجائے اس کے کہ رومیوں سے جنگ

جنگ کرنے میں اپنی کوششیں صرف کرو، عمران سے لڑ کر قوت رائگان کر رہے ہو، حالانکہ
 عمران اہل قبلہ سے ہے، بختیار نے وعدہ کیا کہ میں واپسی پر عمران سے مصالحت کر لوں گا
 اور سرحد پر پہنچ جاؤں گا، جب واسطہ آگیا تو اس نے ابو ثعلب واپی موصل کو احکام روانہ
 کئے کہ اس کے لشکر کے لئے رسد اور چارہ کافی مقدار میں مہیا رکھے، کیونکہ وہ رومیوں پر
 حملہ کرنے کا قصد رکھتا تھا، ایک دوسرا حکم سبکتگین وزیر بغداد کو بدین مضمون روانہ کیا گیا
 کہ جہاد میں شرکت کرے، سبکتگین کی نمائشی دعوت پر بغداد نے غیر معمولی جوش کے ساتھ
 لبیک کہا، مگر اس کو کوچ کرنا کب مقصود تھا، اس سپاہ کو اپنے محفوظ لشکر کے طور پر اس نے
 بغداد ہی میں رکھنا چاہا، نتیجہ یہ ہوا کہ یہ جمعیت موجب صد پریشانی ہو گئی، بے کاری میں
 باہم جھگڑنا شروع کر دیا، ایک دوسرے کا گلا کاٹتا تھا، مال لوٹتا تھا، اور عورتوں کی عصمت
 کی جاتی تھی، معاملات نے نازک صورت اختیار کر لی اور جہاد کی بجائے جس کی خاطر یہ
 لوگ اکوٹا کئے گئے تھے، انہوں نے بغداد ہی کو تاراج کرنا شروع کر دیا، یہ ستم ظریفی بھی قابل
 غور ہے کہ اس موقع پر جہاد کے حیلے سے بختیار نے خلیفہ مطیع سے چار لاکھ درہم وصول کئے،
 ان حالات میں اگر حجاج کے قافلے بے خطر سفر نہ کر سکتے تھے تو کیا تعجب ہے، اس با
 بین سلاطین بویہ اور خلیفہ کی بے اتفاتی کا یہ حال تھا کہ ایک کردستانی سردار بدر بن حسنو
 خراسان کے قافلہ کے ہمراہ پانچزار دینار تحفظ راہ کے مصارف کے لئے بھیجتا تھا، بعدہ
 اس نے یہ رقم نو ہزار کر دی، اور آخر اس کی تعداد بیس ہزار سالانہ تک پہنچ گئی، ۴۰۵ھ
 جب اس سردار کا انتقال ہو گیا تو یہ امداد بند ہو گئی جس سے زائرین کو سخت تکلیف پہنچی

اور حجاج کے قافلے سفر نہ کر سکے،

شاہانِ بویہ نے اختیارات پر قبضہ کر لیا تھا، مگر اختیارات سے متعلق جو فرائض اور ذمہ داریاں تھیں ان سے قطعی آزاد تھے، خلیفہ ان کا محکوم ہو گیا تھا اور اس محکومی کی بدولت ان آزاد سنی حکمرانوں کے ساتھ جو آل بویہ کے رقیب تھے، خلیفہ کے تعلقاً ناخوشگوار ہو گئے تھے، مثلاً اس زمرہ میں آل سامان کا نام لیا جاسکتا ہے، چنانچہ اب ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ سامانیوں کا رویہ خلیفہ کے ساتھ کیا رہا،

یہ تو ظاہر ہے کہ بعد اذین آل بویہ تسلط قائم ہونے کے بعد سامانیوں اور خلفاء کے باہم وہ لطف نہ رہ سکتا تھا جو پہلے تھا، سامانی شاہان بویہ کے مد مقابل تھے اور سمجھتے تھے

کہ رے، جبال طبرستان اور نیز خراسان کی بدولت آل بویہ سے مستقل برسرِ پیکار رہنا پڑے گا۔ وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ خلیفہ شاہانِ بویہ کے ہاتھ میں گڑیا کی طرح بے بس ہے، اور ان کے

مقاصد کی تکمیل کا آلہ بن جائے گا، لہذا خلیفہ کے وہ احکام جن سے سامانیوں کی سیاسی قوت کو صدمہ پہنچتا قابلِ تعمیل نہ ہو سکتے تھے، اس صورت میں خلیفہ کو خراج یا تحائف نذرینا

شاہانِ بویہ کا خزانہ معمور کرنے کو ہم معنی تھا، اور یہ دولت خود سامانیوں کے خلاف استعمال کی جاتی، با این ہمہ سامانیوں نے مطیع کو خلیفہ تسلیم کرنے میں تامل نہ کیا، حالانکہ ان لوگوں

نے مطیع کے پیشرو و مستکفی کو اس موقع پر معزول کیا تھا، جب کہ خراسانی سفیر کے خیر مقدم کے لئے دربار منعقد ہو رہا تھا اور یہ معزولی بڑی تذلیل کے ساتھ عمل میں لائی گئی تھی

سامانی چاہتے تو خلیفہ اور خود اپنے سفیر کی اس تحقیر کو بہانہ بنا لیتے اور مطیع کو جائز امام نہ

تسلیم کرتے، کیونکہ وہ خلیفہ سابق کے خلاف سازش کر کے بویہوں کا موروثی الطاف اور مسندِ خلافت کا مالک بنا تھا، لیکن سامانی بھی وقت کے منتظر تھے، ابھی ان کا سیاسی مفاد معرضِ خطر میں تھا، دو سال تک وہ مطیع کی خلافت تسلیم کرتے رہے، مگر اس کے بعد انھوں نے سرخم کرنے سے انکار کر دیا، ایک سخت یون ترک تعلق کرنے کا اصل سبب کیا تھا، اس کے متعلق کوئی فیصلہ کن تاریخی شہادت دستیاب نہیں ہوتی، اغلب یہ ہے کہ خراسان پہ سالار ابوعلی بن محتاج کی بغاوت سامانی آزادی کا سبب ہوئی، شاہانِ بویہ اور فوج سامانی کا چچا ابراہیم جو موصل میں ناصر الدولہ ہمدانی کی فوج میں ملازم تھا، ابوعلی کو بھڑکار رہے تھے، ^{۳۳۴} _{۶۹۴} میں ابوعلی نے ابراہیم بن احمد کو خراسان آنے کی دعوت دی، اور یہ اطلاع بھیجی کہ ابراہیم حاکم مقرر ہو چکا ہے، اور ابوعلی کے ساتھی اس کی اطاعت قبول کرنے کو تیار ہیں، ناصر الدولہ بھی ابراہیم کی حمایت کر رہا تھا، چنانچہ اس نے ابراہیم کو خلعت سے سرفراز کیا اور خلیفہ مطیع کا قائم مقام نیکر علم کا پھر پر اپنے ہاتھ سے باندھا، رکن الدولہ کے مقابلہ میں ابوعلی کو رے خالی کر دینا پڑا، ^{۳۳۵} _{۶۹۴} میں جبال پر بھی رکن الدولہ قابض ہو گیا، مگر اسی سال ^{نصفین} کی متحدہ سپاہ نے نوح کو شکست دی، ابوعلی اور ابراہیم بخارا میں داخل ہوئے، اجناس اور نقود پر قبضہ کر لیا اور ابراہیم کی حکومت کا اعلان کر دیا گیا، ابوعلی نے اس فتح کا مژدہ عماد الدولہ کو ارسال کیا، اور درخواست کی کہ خلیفہ سے ولایت خراسان کا فرمان ابراہیم کے نام حاصل کرے، غالباً ان ہی فرامین کی اہمیت شکست کرنے کے لئے اس وقت نوح نے فیصلہ کر لیا کہ خلیفہ کی اطاعت سے انکار کرنا چاہئے اور پورے نو سال تک

وہ اس انکار پر قائم رہا،

سامانی جو پکے سنی تھے، اس وقت عجب شکش میں گرفتار تھے، خلافت اہلسنت کا
 مذہبی ادارہ تھا، جمعہ اور عیدین کے خطبوں میں خلیفہ کا نام لینا، سکون پر اس کا نام مضر و
 کرانا اور یون اس کی امامت تسلیم کرنا مذہباً ضروری تھا، اس کے علاوہ یہ بھی ضروری تھا
 کہ ہر امیر کی موت پر نئے جانشین کے حق میں خلیفہ کا فرمان حاصل کر کے اس کی حکومت
 کو جواز کی سند دی جائے، چونکہ نوح بن نصر کو یہ سند خلیفہ مستکفی سے حاصل ہوئی تھی، اس لئے
 مطیع کی خلافت سے جس کو بو ہیون نے تحت نشین کیا تھا، انکار کرنے کا بہانہ موجود تھا
 مگر خطبے اور سکے میں نام شامل ہونے کا فریضہ شرعی بھی پورا کرنا تھا، اس کی خاطر نوح نے
 ایک جدید حیلہ تلاش کر لیا، یعنی خطبے میں اور سکون پر سابق خلیفہ کا نام جاری رکھا، لیکن
 ۳۳۸ھ میں جب کہ بیانی سے معذور خلیفہ معزول کی وفات ہو گئی تو نوح کا یہ عمل بالکل
 ۶۹۴ھ نہل ہو گیا، پھر بھی ۳۴۴ھ تک مانیون کا متمول وہی رہا، یہ پہلا موقعہ تھا کہ سیاسی ضرورت
 نے ان وایان ملک کو ایسا طریقہ ایجاد کرنے پر مجبور کر دیا جس سے خلیفہ کے احکام سے
 سرتابی بھی کر سکیں، اور ساتھ ہی ساتھ خطبے میں اور سکے پر مرحوم خلیفہ کا نام قائم رکھا، لیکن
 کے مذہبی احساسات کو بھی مشتعل نہ ہونے دین، گویا ان کو اس شرعی منصب کی ضرورت
 تو تسلیم تھی لیکن پس پردہ ریشہ دو انیان کرنے والوں کی شیطانی چالوں کو ٹھکرانا چاہتے
 تھے، یہی مثال جس کو سامانیون نے قائم کیا تھا، ذرا بدلے ہوئے رنگ میں مغلوں نے
 اس وقت اختیار کی جب کہ وہ دائرہ اسلام میں داخل اور ایسی تدابیر کے محتاج ہو گئے تھے

۳۳۶ھ سے لے کر ۳۴۴ھ تک کا زمانہ جب کہ سامانی خلافت سے باغی رہے
 ۶۹۴ء ۶۹۵ء
 سامانیوں اور رکن الدولہ کی سیاسی رقابت کا مرقع ہے، رکن الدولہ چاہتا تھا کہ جس قدر
 وسیع ممکن ہو ایک خود مختار حکومت قائم کرے، ۳۲۳ھ میں مرداویج کے انتقال کرنے
 پر اور بعد ازاں ۳۲۹ھ میں ماکان کے مرنے پر مختلف مدعیان حکومت کے باہم مجاہد
 شروع ہو گیا تھا، ان میں رکن الدولہ اور سامانیوں کا مخصوص حصہ تھا اور یہ دونوں فریق
 اپنے سیاسی اغراض کی خاطر ایک دوسرے کے حریفوں کو شہ دیتے رہتے تھے، قدرتی
 طور پر سامانیوں نے مطیع کی خلافت تسلیم نہیں کی، کیونکہ اس عہد میں ان کے خلاف بہت
 سے احکامات مطیع سے جاری کرائے گئے، نوبت یہاں تک پہنچی کہ ۳۳۴ھ میں رکن الدولہ
 نے اپنی بھائی معز الدولہ سے درخواست کی کہ حکومت خراسان کا فرمان اس کے حق
 میں حاصل کر لے اور معز الدولہ اس میں کامیاب بھی ہو گیا، رکن الدولہ خلیفہ کا عطا کیے
 خلعت پہن کر برآمد ہوا تا کہ عوام کو اپنے جائز حق کا یقین دلا سکے، مفتیان شرع، سر
 سپاہ اور دیگر عمائدین کے روبرو وہ فرمان پڑھ کر سنایا گیا جس میں حکومت خراسان
 تفویض کر دی گئی تھی، اس کے بعد جب نوح بن نصر سامانی نے ۳۴۳ھ میں ابو علی
 محتاج کو ملازمت سے علیحدہ کر دیا تو اس نے حکومت خراسان کے خلاف علم بغا
 بلند کر دیا، رکن الدولہ سے امداد چاہی اور فرمان خلافت دلا دینے کی درخواست
 معز الدولہ نے ابو علی کے سفیر کا خیر مقدم بڑے تپاک کے ساتھ کیا، اس کو مطیع کی
 باریاب کرایا اور ابن نصر کی بجائے حکومت خراسان ابو علی کے نام تفویض کر ادا

ابوعلی کی امداد کے لئے ابو منصور شکرہ از کو روانہ کیا جس نے ۳۲۳ھ میں نیشاپور پہنچ کر خطبہ میں
 ۶۹۵۲
 امیر خراسان کی بجائے خلیفہ مطیع کا نام داخل کر دیا، مگر عوام کے قلوب پر اس تغیر کا کچھ
 اثر نہ ہوا، وہ جانتے تھے کہ خلیفہ کی پستی کس درجہ تک پہنچ چکی ہے، اور وہ کس طرح آن تو
 کا آلہ کار بنا ہوا ہے، وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ سامانی امیر جنہوں نے خلیفہ کی اطاعت ترک
 کر دی تھی، حکومت کا جائز حق رکھتے تھے، ان حالات میں خلیفہ کی حکم عدولی کرنے میں
 سامانی بھی تامل نہ کرتے تھے، عبد الملک جو نوح کے بعد امارت پر سرفراز ہوا، نیشاپور
 پر حملہ آور ہوا، اور ابوعلی کو نکال کر خود قابض ہو گیا، ابوعلی فرار ہو کر رکن الدولہ کے پاس
 پہنچا، مگر کچھ ہی عرصہ بعد وہ اور اس کا بیٹا دونوں راہی عدم ہو گئے، اگلے سال خراسانی
 لشکر نے رے پر دھاوا کیا اور اصفہان لے لیا، اس فتح نے سامانی سپہ سالار کی ہمت
 اتنی بڑھادی کہ اس نے رکن الدولہ کے بیٹے کا تعاقب کیا اور اس کا سامان لوٹ لیا،
 البتہ ابن العمید کی ہوشیاری اور جرأت کی بدولت جو رکن الدولہ کا وزیر تھا کا
 بربادی سے بچ گئے،

مگر خراسان کا نیا امیر عبد الملک باوجود امیر واقعی ہونے کے کسی عباسی خلیفہ کا
 اجازت یافتہ نہ تھا، لہذا وہ چاہتا تھا کہ رکن الدولہ سے مصالحت ہو جائے تاکہ فرمان
 خلافت حاصل کر لیا جائے، بغیر اس کے قضاۃ اور دیگر مذہبی عمال کا تقرر جائز نہ سمجھا جاتا،
 اس وقت فرمان خلافت حاصل کرنا فریضہ شرعی ہی نہیں بلکہ سیاسی ضرورت تھا، اس
 عہد میں بھی یہ حکمران خلیفہ کے فرمان کو کتنا اہم سمجھتے تھے، اس کا اندازہ اس جواب سے

ہو سکتا ہے جو ناصر الدولہ حمدانی نے نوح کے چچا ابراہیم بن احمد کو دیا تھا، ابراہیم ناصر الدولہ کی سرکار میں ملازم تھا، جب ۳۳۴ھ/۶۹۵ء میں نوح کو معزول کرنے کے لئے ابو علی نے ابراہیم کو دعوت دی اور ابراہیم نے اپنے آقا ناصر الدولہ سے اجازت چاہی تو ناصر الدولہ نے جواب دیا کہ ہم غمگین بن کر رہیں، اتنا انتظار کرو کہ ہم وہاں پہنچ جائیں تاکہ خلیفہ سے تمہیں فرمان خلعت اور علم و لادیا جائے، اس سے تمہاری عزت اور قوت دونوں مضاعف ہو جائیں گی،

۳۳۴ھ/۶۹۵ء میں عبدالملک نے رکن الدولہ سے اس شرط پر صلح کر لی کہ رکن الدولہ رے اور جبال پر قابض رہے، اور اس کے معاوضہ میں امیر خراسان کو کچھ رقم دیدی جائے اس کے بعد عبدالملک نے اپنے بھانجے کو رکن الدولہ کے سفیر کے ہمراہ بغداد روانہ کیا اور خلیفہ مطیع سے حکومت خراسان کا فرمان عنایت کرنے کی درخواست کی، خلیفہ نے عبدالملک کے لئے علم اور خلعت فاخرہ ایلچی کو عنایت کیا، اور علم کا پھر برا اپنے دست مبارک سے باندھا، خلعت امیری کے علاوہ ایک گھوڑا اور ایک بلبوس اور حرمت ہوا جو اس اعزاز کی نشانی تھا، کہ اس کا پانے والا خاصہ شاہی کی شرکت سے سرفراز کیا، آل بویہ اور سامانیوں کے تعلقات ایک مرتبہ پھر ٹوٹے اور ہمیشہ کے لئے ٹوٹے، قادر کی خلافت جس کو بویہوں نے تخت نشین کیا تھا، سامانیوں نے تسلیم نہیں کی، سبب خلیفہ طائع کی معزولی تھی جو ۳۸۱ھ/۹۹۱ء میں بغیر کسی قصور کے محض اس لئے عمل میں آئی کہ بہار الدولہ طمع کے جوش میں خلیفہ کی مفروضہ دولت پر قابض ہونا چاہتا تھا

سامانی سابق کی طرح خلیفہ معزول کا خطبہ پڑھتے رہے، اور عیسا کہ سکون سے ظاہر ہے
اسی کا نام مضروب ہوتا رہا، خلیفہ قادر کی کوشش بھی بے سود رہی، اس نے ۳۸۳ھ/۶۹۳ء
حاج کے قافلون کے سامنے تقریر کی اور خراسانی زائرین نے امیر کے نام خطوط اور
پیغام لے جانے کا وعدہ کیا، لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا،

مذکورہ بالا دو واقعات سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ سامانی عباسی خلافت کو کس تک
تسلیم کرتے تھے، واقعہ یہ ہے کہ خلافت کے ساتھ ان کے رشتہ ہاے اتحاد دروز بروز
شکست ہوتے جاتے تھے، آخری دو امیر یعنی منصور (۳۸۷ھ تا ۳۸۹ھ) اور عبید
جو چند ماہ حکمران رہے شرعی حق حاصل کئے بغیر حکومت کرتے رہے، لیکن معزول عباسی
خلفاء کا خطبہ پڑھنا اور سکون پران کے نام مسکوک کرتے رہنا اس امر کی دلیل ہے کہ
وہ عباسی خلافت کے خیر خواہ تھے، منصبِ خلافت کے ساتھ سامانیوں کی دلی عقیدت
اس واقعہ سے بھی ظاہر ہے کہ اپنے ہمدر حکومت میں اس کو تسلیم کرنے ہی پر انھوں نے
قناعت نہ کی بلکہ اس امر کے ساعی رہتے تھے، کہ بویہ بھی خلافت سے سرتابی نہ کر
۳۷۳ھ/۶۸۲ء میں موید الدولہ کے مرنے پر جب فخر الدولہ نے اس کی جگہ لی تو اس کے وزیر
ابن سدن نے کوشش کی کہ مصمام الدولہ سے صلح کرادے، منجملہ دیگر امور کے اس نے فخر الدولہ
کو یہ بھی لکھا کہ خراسان سے ایک ایٹھی پیغام صلح لے کر آیا ہے جس کی شرط اول خلیفہ کی
اطاعت ہے (جو ایک مذہبی فریضہ بھی ہے اور دنیوی کامیابی کا وسیلہ بھی) ن
سامانیوں کو خلیفہ کا احترام بہت ملحوظ رہتا تھا، یہی سبب تھا کہ انھوں نے بویہ

کی طرح بلند آہنگ اور پرنحوت القاب اختیار کرنے سے احتراز کیا، بوہی اس باب میں یہ بھی پروا نہ کرتے تھے کہ خطاب خلیفہ نے عطا بھی کیا ہے یا نہیں، اس کے برعکس سامانی "ولی امیر المؤمنین" کے لقب پر قانع رہے اور یہ خطاب خود خلیفہ نے دیا تھا، یہ سچ ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں کو بڑے بڑے پر شوکت خطاب عنایت کر دیتے تھے، لیکن ان خطابوں کو وہ وقعت حاصل نہ تھی جو عطیہ خلافت کے ساتھ مخصوص تھی، خلیفہ کے دینے ہوئے خطاب کس احترام کے ساتھ دیکھے جاتے تھے، اس کا اندازہ کرنے کے لئے یہ واقعہ کافی ہے کہ ابوعلی سنجر نے سامانی امیر سے مصالحت کے لئے جو شرائط پیش کی تھیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ خلیفہ سے ابوعلی کو بھی وہی خطاب دلا یا جائے جو سامانیوں کو دیا گیا تھا، حالانکہ اس کو نوح سامانی سے "امیر الامراء منصور من اللہ" کا عظیم خطاب مل چکا تھا،

ان شرائط کے بموجب جو فرمان خلافت میں درج ہوتی تھیں، دوسرے سنی امیروں کی طرح سامانی بھی اپنے ممالک پر حسب احکام شریعت حکومت کرنے کے پابند تھے، اس کا یہ مطلب ہے کہ ان کے نظم و نسق کا نقشہ وہی تھا جو خود خلیفہ کی قلمرو میں نظر آتا تھا، شروع ہی سے سامانی امیر کے تقرر میں خلیفہ کو اس سے زیادہ دخل نہ تھا کہ امیر تخت پر بیٹھ جاتا تو خلیفہ فرمان کے ذریعہ سے اپنی اجازت کا اعلان کر دیتا، امارت نسلاً بعد نسل منتقل ہوتی تھی بعض خلفاء کی طرح سامانی بھی اپنے جانشین نامزد کر دیتے تھے، اور کبھی کبھی دو یا تین نامزد گیان علی الترتیب کیجاتی تھیں، اگر نامزد شدہ کوئی

موجود نہ ہوتا تو عمائدین دربار اور پیشوایان مذہب خاندان کے افراد میں سے کسی ایک کو
 منتخب کر لیتے، خلیفہ کی طرح سامانی امیر کے انتخاب کے بعد بھی منتخب کرنے والے وقادار
 کا حلف لیتے اور اس کے بعد عام لوگوں سے بیعت لی جاتی، انتخابی آئین وہی تھے جو خلفاء
 کے لئے ضروری تھے، صرف اتنا فرق تھا کہ سامانی مسند پر نابالغ بھی متمکن ہو سکتا تھا،
 اگرچہ سامانی حکومت کی ابتداء مطلق العنانی سے ہوئی تھی، لیکن ان کا طرز فرمانروائی
 مطلق العنانی سے بہت دور تھا، وہ خود کو احکام شرعی کا پابند سمجھتے، اور اپنی ہستی کو قانون
 سے بالاتر تصور نہ کرتے تھے، ان میں اکثر ویندار مسلمان تھے، جن تک مظلوم کو رسائی آسان
 تھی اور جن کا انصاف اور اعتدال مشہور تھا، اکثر خلفاء کی طرح سامانیوں کا بھی یہ دستور
 تھا کہ خود امیر یا خاندان کا کوئی اور فرد عدالت نظام میں بیٹھ کر عمال حکومت کے تشدد
 کے خلاف نالین سننا اور قانونی تنازعات فیصلہ کرتا، علمائے دین اور اہل فضل کی عزت
 کی جاتی تھی، ایک مرتبہ کسی متقی عالم کے احترام میں اسمعیل سات قدم چھپے ہٹ گیا تھا
 بخارا کے حنفی فقیہوں میں جو شخص علم و فضل میں سب سے زیادہ ممتاز ہوتا اس کے حسب ہدایت
 مہات میں فیصدے کئے جاتے، مفتی یا بعدہ شیخ الاسلام کا جو عہدہ ہوتا تھا اسی نوع کا ایک
 منصب سامانیوں کے ہاں بھی قائم تھا، اس عہدہ دار کو استاد کہا جاتا تھا، ایک عہدہ دار
 محتسب بھی ہوتا تھا اور یہ خدمت کسی بااثر شخص کو تفویض کی جاتی تھی جو بغیر کسی جانبداری
 یا خوف کے کام کرتا تھا، اس کے فرائض وہی تھے جو محتسب خلافت کے ہوتے تھے،
 یعنی جو لوگ شریعت کے خلاف عمل کرتے، خریداروں کو دغا دینے کی کوشش کرتے،

یا مقررہ محال ادا نہ کرتے ان کو سزا دیتا تھا، وزن اور پیمانوں کے باب میں اتنی سختی برتی جاتی تھی کہ جب اسماعیل کو معلوم ہوا کہ خراج کا غلہ تولنے کے وزن حد مناسب سے کچھ زائد ہیں تو ان کو بخارا منگا کر اس نے بقدر زیادتی کٹوا دیا، اور اس جرم کی مستقل سزا مقرر کر دی نظام حکومت یکساں ہونے کے سبب کیا تعجب ہے کہ آخر کار سامانیوں کو اپنے صوبہ داروں کے ہاتھوں وہی دن دیکھنا نصیب ہوا جو خود ان کے ہاتھوں خلافت کو نصیب ہو چکا تھا، دونوں جگہ مرکزی حکومت جب ضعیف ہو گئی تو صوبوں کے حاکم آزاد ہو گئے، مگر خطبے اور سکون میں ان کے بالاتر حکمرانوں کا نام باقی رہا، قرون وسطیٰ میں قومی احساس موجود نہ تھا، اس لئے سامانیوں کو قراخانیوں اور محمود غزنوی کے خلاف جنھوں نے سامانی سلطنت کو تقسیم کر کے ایران کی سب سے پہلی خود مختار حکومت کا خاتمہ کر دیا، کوئی عام ہمدردی حاصل نہ ہو سکتی تھی،

۳۹۰ھ میں جب قراخانیوں کا حملہ ہونے والا تھا اور سامانی حکومت معرض خطر میں تھی تو بخارا میں سامانی خطیب مسجدوں کے منبروں پر کھڑے ہو ہو کر عوام کو جنگ پر آمادہ کرتے تھے اور سامانی امیر کی جانب سے یہ پیغام دیتے تھے کہ ہم جس انداز سے حکومت کی تمہیں معلوم ہے، ہمارے اور تمہارے درمیان تعلق کس قدر خوشگوار رہے، یہ بھی تم جانتے ہو، اب ایک دشمن سر پر آرہا ہے، اب تمہیں فرض ہے کہ ہمارے ساتھ شریک جنگ ہو اور ہماری مدد کو پہنچو، لہذا خدا سے کہو کہ ہمیں مظفر و منصور کرے، اہل بخارا نے یہ پیغام سن کر سامانیوں کی استدعا

لبیک کہنے اور اعانت کرنے کی بجائے جنگ کے باب میں فقہائے اسلام سے
مشورہ کیا، مگر فقہانے جنگ کے حق میں فتویٰ نہ دیا، اور کہا کہ "خان کے سپاہی اگر دوسرے
مذہب کے پیرو ہوتے تو جنگ میں شریک ہونا تمہارا فرض تھا، مگر جب لڑائی کا مقصد
دنیوی ہے تو کسی مسلمان کو جان خطرے میں ڈالنا اور ہلاکت کے منہ میں جاناروا
یہ قوم (دشمن) دیندار بھی ہے اور صالح بھی، اس لئے جنگ سے احتراز مناسب
ہے" مورخ کے بقول قراخانیوں کی کامیابی اور سامانیوں کی شکست و تباہی
کا ایک بڑا سبب یہی ہوا،

خاص ایران میں سامانیوں کا جو ملک تھا وہ محمود غزنوی کے ہاتھ آیا، لہذا
اب محمود اور عباسی خلافت کے تعلقات پر نظر ڈالنی چاہئے،

پھٹا باب

خلافت و شاہانِ غزنی

سامانی حکومت کا خاتمہ ہو گیا تو حکومت کا وہ شرعی اور قانونی حق جس کی بنا پر وہ فرمانروائی کے مجاز بن سکے تھے، پھر اپنے مفوض یعنی مرکزی حکومت کی طرف عود کر گیا، کیونکہ از روئے قانون اختیار حکومت اسی کو حاصل تھا، چنانچہ قضاۃ اور دیگر مذہبی اعمال مقرر کرنے کا جو اختیار سامانیوں کو ودیعت کیا گیا تھا سلب ہو گیا، اور اس صورت میں دارالقضا کے فتوے بھی جب تک کہ نیا امیر شرعی حیثیت سے حکومت پر مامور نہ کیا جاتا، قانوناً ناجائز تھے، سامانیوں پر فتح پانے کے بعد محمود غزنوی کو ایک شرعی سند درکار تھی، تاکہ مفتوحہ ممالک پر قابض رہ سکے، ضرورت تھی کہ خلیفہ کی جانب سے اس کو حسب آئین شریعت فیصلہ نزاعات کا اختیار تفویض کیا جائے، لہذا ظاہر ہے کہ خلافت کے ساتھ محمود کا طرز عمل مذہبی احکام کے علاوہ سیاسی مصالحت پر مبنی ہوگا،

اس کی نیت اسی واقعہ سے ظاہر ہو جاتی ہے کہ معزول خلیفہ طائع کو سامانی او

خود محمود جب کہ وہ دولت سامانیہ کے دامن سے وابستہ تھا، خلیفہ تسلیم کرتے رہے تھے مگر اب طالع کی بجائے محمود نے قادر کی خلافت تسلیم کر لی، معزول خلیفہ کی بجائے قادر کو خلیفہ مان لینے کی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ قادر کا انتخاب جائز سمجھنے لگا تھا، بلکہ سبب یہ تھا کہ اس کے بغیر نہ تو حکومت کا قانونی اختیار حاصل کر سکتا تھا نہ حسب احکام شریعت تصفیہ نزاعات کا حق۔

۳۸۹ء ۹۹۹ء میں سامانیوں پر فتح پانے کے بعد محمود نے پہلا کام یہ کیا کہ قادر کے نام ایک عرضی تیار کی جس کی عبارت سراسر عجز و انکسار تھی، خود کو اور اپنے بھائی کو امیر المومنین کا عہدہ بتایا، خلیفہ کو پیرارون دعائین دین اور ہر ممکن خوبی اس کی طرف منسوب کی، اس عرضی میں وہ لکھتا ہے کہ سامانیوں سے برسر پیکار ہونے کا سبب صرف یہ تھا کہ باوجود اس کے سمجھانے کے سامانی فرمانروا امیر المومنین کی خلافت تسلیم نہ کرتے تھے، وہ کہتا ہے کہ میں نے منصور بن نوح سے انتہائی اصرار کے ساتھ درخواست کی، لیکن میری مودبانہ موعظت اور عقل افزو نصیحت ایک نہ سنی گئی۔ اس کے بعد واقعات جنگ مفصل بیان کرتا ہے اور اپنی کامیابی اور مابعد کاروائی کے متعلق کہتا ہے کہ اس وقت جبکہ یہ عہدہ تحریر کیا جا رہا ہے، حق سبحانہ نے تمام خراسان امیر المومنین کے زیر نگیں کر دیا ہے، اور اب حال یہ ہے کہ خراسان کے خطیب امیر المومنین کا نام لینے میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کر رہے ہیں، حق اور صداقت کو فتح ہوئی ہے اور امیر المومنین کا ساتھ دینے کے لئے ہر شخص سمجھے سے زیادہ خواہشمند نظر آتا ہے، اس کے بعد یہ عرض ہے کہ بست و کشاد اور تصدیق و تنبیخ کی کاروائی ابھی تک کچھ عمل میں نہ آسکی ہے، اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ

بارگاہِ خلافت سے میرے نام فرمان جاری نہ ہو جو میری تعمیر کی بنیاد بن سکے اور میرے لئے ایک ہدایت ہو کہ بہ تائید ایزدی میں اس کی پیروی کروں، اپنی فتوحات کو خلیفہ کی طرف منسوب کرنے کے بعد مفتوحہ ممالک یعنی خراسان اور گردونواح کے علاقوں کی امیری کے لئے اپنی استدعا ان الفاظ میں پیش کرتا ہے، کہ "میرے آقا اور خداوند امیر المؤمنین اس عریضہ کو اگر شرفِ ملاحظہ بخشیں اور اس غلام کو اپنے اوامر و نواہی پر مامور فرمانا چاہیں تو فرمادیں۔"

محمود کی درخواست موصول ہونے کے بعد خلیفہ قادر نے حکومت اور تاجداری کی سند مرحمت فرمائی اور تمام مفتوحہ ممالک کا جائز مالک بنا دیا، یمن الدولہ و یمن الملیہ کا خطاب بھی عنایت کیا گیا، جیسا کہ محمود کی عرضداشت سے ظاہر ہے اس کی قلمرو میں اس سے پہلے ہی خلیفہ کا نام خطبوں میں پڑھا جانے لگا تھا، اب خلیفہ نے خواہش ظاہر کی کہ اس کے نام کے ساتھ اس کے بیٹے غالب کا نام بھی داخل کر دیا جائے تاکہ غالب کے حقوق مسلم ہو جائیں، چنانچہ محمود نے اس ارشاد کی تعمیل کی اور جمعہ اور عیدین کے روز خلیفہ کے ساتھ غالب کا نام بھی خطبوں میں شامل ہونے لگا، نیشاپور کے مضروب سکون پر بھی غالب کا نام نقش کیا گیا،

اپنی سیاسی اغراض پوری کرنے کے علاوہ محمود نے عباسی خلافت کو تسلیم کر کے خلافت کو کافی تقویت پہنچائی، دنیا سے اسلام میں خلیفہ کی عزت بڑھ گئی اور ایران میں اس کا اقتدار تازہ ہو گیا، ۳۸۹ھ میں محمود کو پہلا فرمانِ امارت عنایت کیا گیا، اور ۴۱۰ھ میں بغداد

فتوحات تفویض کرنے کے لئے دوسرا فرمان ملا، محمود نے ان فرامین کو حاصل کر کے خلافت کا وہ اقتدار جو سامانی دور کے ساتھ رخصت ہو گیا تھا از سر نو زندہ کر دیا، محمود کے جانشین مسعود نے بھی (۳۲۱ھ تا ۳۲۲ھ) خود اپنی تخت نشینی اور خلیفہ قادر (۳۲۱ھ تا ۳۲۲ھ) کے انتقال پر فرمانِ خلافت کی استدعا کی اور فرامین پائے، تجدید فرمان نے غزنویوں کو حلیفہ و عدو کے ساتھ شرائطِ مندرجہ کا پابند کر دیا تھا، چنانچہ ان مواقع پر زر کثیر اور بیٹیاں تحائف خلیفہ اور ملازمین درگاہ کو نذر کرنا پڑتے تھے،

ماوردی کی تقسیم امارت کے بموجب غزنویوں کا شمار بھی قسم ثالث یعنی امراء متسلطین میں کرنا چاہئے، یہ دیکھنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ایسے امراء کے لئے ماوردی نے جو شرائط قرار دی تھیں ان میں سے کتنی محمود اور مسعود نے خلافت کے حق میں پوری کیں،

۱۔ محمود اور مسعود دونوں خلیفہ کا احترام کرتے تھے، اور اس کو ہمیشہ دینی پیشوا تصور کرتے تھے، ۳۹۱ھ میں خلیفہ واثق کی اولاد میں ایک شخص مسیحی واثقی نے ابو الفیضی تمیمی سے ساز کر کے ایک جعلی خط بنایا جس میں خلیفہ قادر کی جانب سے واثقی کو ولیعهد مقرر کیا گیا تھا، ہارون بن ابق بغراخان کو اس شہادت پر یقین آگیا، اور اس نے اپنے زیر نگین ملک میں احکام جاری کر دیئے کہ خلیفہ قادر کے بعد واثقی کا نام داخل خطبہ کر دیا جائے، بغراخان کے اس فعل نے دربارِ خلافت میں بڑی بے چینی پیدا کر دی، اب قادر نے مجبور ہو کر اس دعوے کی تردید کی، اور اپنے بیٹے ابو الفضل غالب کو جانشین قرار دیا، اس موقع پر محمود نے ابو الفضل کے نام پر خطبہ پڑھنے اور اس کے حقوق کی تائید ہی پر اکتفا نہ کیا، بلکہ جب

واقعی محمود کی امداد طلب کرنے خراسان پہنچا تو اس نے مدعی خلافت کو اسیر کر لیا اور ایک قلعہ میں بند کر دیا، جہاں سے موت کے دن تک رہائی نہ ہوئی، لیکن خلافت بنو عباس کی سب سے بڑی خدمت جو غزنویوں نے کی وہ یہ تھی کہ عباسی خلافت کے خطرناک حریف فاطمیوں کے پروپاغندا کا استیصال کرتے رہے، محمود ہی کی ولی خیر خواہی کا نتیجہ تھا کہ باوجود اپنی مساعی کے فاطمیوں کو ایران کے اندر قدم جانے میں کامیابی نہ ہو سکی، ۴۰۳ھ (۱۰۱۲ء) میں حاکم فاطمی نے محمود کو دعوتِ اطاعت دی تو محمود نے وہ مراسلہ بغداد روانہ کر دیا تاکہ منظر عام پر نذر آتش کر دیا جائے، پھر اسی سال محمود نے جب سنا کہ جبرتی نامی ایک سفیر فاطمی دربار سے اسی مقصد کے لئے آیا ہے تو اس نے سفیر کو گرفتار کر لیا اور ہر آند فقہار کی ایک عدالت اس کے طرز عمل کا جائزہ لینے اور منرا تجویز کرنے کے لئے مقرر کی، اور آخر فتوے کے بموجب سفیر کو قتل کر دیا گیا،

۲- دوسری شرط یہ تھی کہ مذہبی امور میں خلیفہ کی صریح اطاعت واجب ہوگی، اس باب میں محمود کی انتہائی کوشش یہ رہی کہ خلیفہ کو ناراضگی کا موقع نہ دے، مگر بعض حالتوں میں جب کہ ذاتی مفاد درمیان ہوتا، امیر المومنین کی تعمیل ارشاد مشکل ہو جاتی تھی، تاہم محمود کا صلح جو طرز عمل اس مشکل کا ہر ممکن حل تلاش کرتا تھا، ایسی پیچیدہ صورتوں میں محمود کا جو رویہ رہتا تھا اس کا بہترین مظہر ابو علی حسن معروف بہ حنک کا واقعہ ہی ہے، ۴۱۴ھ (۱۰۲۳ء) میں حنک حج بیت اللہ شریف سے واپس آ رہا تھا، واپسی میں فاطمی دربار سے خلعت عنایت ہوا، اس واقعہ نے عباسی خلیفہ کو بہت مشتعل کر دیا، اور قدرتی طور پر

اس کو شبہ گذرا کہ یہ تمام کارروائی محمود کے علم اور اجازت سے عمل میں آئی تھی، چنانچہ قاضی
 نے بڑے پر زور الفاظ میں ایک مراسلت محمود کو روانہ کی جس میں حناک پر قرمطی
 ہونے کا الزام لگایا گیا، اور محمود سے اس کے قتل کا مطالبہ کیا گیا، اس معاملہ میں بہت سے
 خط و کتابت ہوتی رہی، محمود بہت عاجز اور برا فرختہ تھا، ایک روز اس نے کہا اس
 بے وقوف بوڑھے خلیفہ کو لکھ دو کہ عباسیوں کی خاطر میں نے ساری دنیا سے بگاڑ لی ہے
 میں قرمطیوں کے کھوج میں رہتا ہوں اور جب کسی پر یہ الزام ثابت ہو جاتا ہے اسکو
 تیرون سے چھید کر نذر اہل کر دیا جاتا ہے، اگر حناک کا قرمطی ہونا پایہ ثبوت کو پہنچ جائے
 تو امیر المومنین کو فوراً معلوم ہو جائے گا کہ اس کا حشر کیا ہوتا ہے، لیکن حناک میرا پرورد
 اور مجھے فرزند و برادر کے برابر ہے، اگر وہ قرمطی ہے تو میں بھی قرمطی ہوں بہت غور و
 فکر کے بعد آخر فیصلہ یہ ہوا کہ حناک کا خلعت اور وہ تحائف جو فاطمی خلیفہ نے محمود کیلئے
 بھیجے تھے، ایک ایلچی کے ہاتھ آگ لگا دینے کے لئے بغداد روانہ کر دیئے جائیں، اسلئے
 برعکس خلیفہ کے احکام کی تعمیل سے اگر امیر کا کوئی پیمانہ مقصود پورا ہوتا تھا تو فرمودہ
 خلافت کو بہت زیادہ اہم تصور کر لیا جاتا تھا، یہی حناک مسعود کے حکم سے سنگسار کر دیا
 گیا، کیونکہ تخت نشینی کے وقت مخالفت کرنے اور مغرور ہونے کے سبب سے مسعود کو
 اس سے کینہ پیدا ہو گیا تھا، کفر کا سابق الزام خلیفہ کی طرف سے عائد کیا گیا، لوگوں کو
 یقین دلانے کے لئے دو آدمیوں کو خلیفہ کے ایلچیوں کا لباس پہنایا گیا، جو فرمان
 خلافت پہنچانے آئے تھے، فرمان میں تحریر تھا کہ حناک قرمطی سنگسار کر دیئے جانے

کامستحق ہے تاکہ آئندہ لوگوں کو امیر المومنین کے خلاف سرکشی کر کے فاطمیوں سے خلعت لینے کی جرات نہ ہو، حناک جس وقت قتل ہو رہا تھا مسعود کا ایک پیام اس کو سنایا گیا اور وہ یہ تھا، "یہ سزا خود تمہاری خواہش کا نتیجہ ہے کیونکہ میں جب تخت نشین ہوا تھا تو تم نے چاہا تھا کہ میں تمہیں مقتل تک پہنچا دوں، مجھے تم پر رحم آتا تھا، مگر اب امیر المومنین فرماتے ہیں کہ تم قریبی ہو، لہذا امیر المومنین کے حکم سے تم قتل کئے جا رہے ہو۔"

جہاں تک ذاتی مفاد کو صدمہ نہ پہنچتا محمود اور مسعود دونوں خلافت سے تعلقات خوشگوار رکھتے تھے اور تمام عام اسلامی امور میں خلیفہ کو مدد دینے کی کوشش کرتے تھے، دونوں نے خلیفہ کو مجبور کر کے غیر مفتوحہ ممالک کے لئے بھی فرمان حاصل کر لئے تھے، دونوں نے خلیفہ سے عہد لے لیا تھا کہ قراخانیوں سے براہ راست تعلق نہ رکھے گا، قراخانیوں کو کوئی خطاب یا خلعت دیا جاتا تو غرضی و ساطت سے محمود اس امر پر اتنا زور دیتا تھا کہ ابوالعباس ہامون شاہ خوارزم نے محمود کے خوف سے خلیفہ کا عطا کیا ہوا خلعت علانیہ قبول نہ کیا نہ خلیفہ کا مرحمت فرمایا ہوا لقب نام کے ساتھ اضافہ کیا، کبھی کبھی اپنی مصلحت کی بنا پر خلیفہ کی امداد طلب کی جاتی تھی، محمود جب مسعود سے ناخوش تھا اور بجائے اس کے دوسرے بیٹے محمد کو ولیعہد نامزد کرنا چاہتا تھا تو خلیفہ سے اس حکم کی درخواست کی گئی کہ سرکاری مراعات میں محمد کا نام مسعود سے پہلے تحریر کیا جاسکے، مسعود کو خلیفہ کا فرمان معلوم ہوا تو اس نے کہا کہ حقوق کا فیصلہ تلوار کرتی ہے نہ کہ تحریر، لیکن ^{۱۰۳۲ھ} ^{۱۰۳۱ھ} میں جب باپ کے مرنے کی خبر موصول ہوئی تو مسعود نے نہایت ادب اور احترام کے الفاظ میں خلیفہ کے اس

مراسلہ کا جواب لکھا جس میں علامہ الدولہ بن کا کو یہ حاکم اصفہان کی سفارش کی گئی تھی اور جو مدت سے لا جواب پڑا ہوا تھا، اسی خط میں فرمانِ خلافت کے لئے استدعا کی گئی اور فرمان حسب معمول مرحمت فرما دیا گیا،

طین
عام اسلامی ضروریات میں اعانت کرنے کا جہاں تک تعلق ہے، خلیفہ اور غزنیوں کی طرف سے
دونوں سنی المذہب تھے، ان کے مذہبی مفاد باہم متصادم نہ تھے، چنانچہ اس باب میں کوئی
دشواری پیدا نہ ہوتی تھی، قرطبہ باطنی اور معتزلہ کا استیصال خلیفہ بھی چاہتا تھا اور ان تمام
شورش انگیز عناصر سے ملک کو پاک کرنا خود غزنیوں کی دنیوی اغراض میں داخل تھا، باہمی
کے اندر دین محمود بالخصوص شدت سے کام لیتا تھا، ہزاروں کے ہزاروں پر لٹکا دیئے گئے،
ہزاروں سنگسار کر دیئے گئے، اور ہزاروں قید ہو کر غزنی پہنچ گئے، ان کے کفر یہ عقائد کی
کتابیں جو تنویر و نون پر لدی ہوئی تھیں آگ میں ڈال دی گئیں، محمود کی یہ فاتحانہ پالیسی
و مقصد پورے کرتی تھی، خلیفہ اور عام مسلمانوں کی نگاہ میں ہندوستان کے جہاد نے اسکو
شمشیر زن اسلام اور حامی ملت بنا دیا تھا، کفار پر جو اس کو فتوحات نصیب ہوتی تھیں
ان سے وہ خلیفہ کو مطلع کر کے اس کی خوشنودی حاصل کرتا تھا، مگر یہاں بھی ایک دوسرا
مقصد نظر تھا، کیونکہ حرلیف دہلیوں کی نظر میں یہ فتوحات اس کا اقتدار بیش از بیش
کر دیتی تھیں، اس کے علاوہ خود خلیفہ کے اقتدار کو تقویت پہنچتی تھی، اب خلیفہ محسوس
کرتا تھا کہ اس کا تاج و تخت بہ نسبت سابق کے جب کہ دہلی امیر اس کے آقا تھے،
زیادہ محفوظ ہے، محمود نے آخر زندگی میں خلافت کو دہلیوں کے اثر سے آزاد کرنا چاہا،

۱۰۲۹ء میں جب مسعود کو رے کی حکومت پر مامور چھوڑا گیا تو ہدایت یہ تھی کہ اصفہان کو فتح کرے اور اس کے بعد خلیفہ کو ولیمیون کی غلامی سے نجات دلا دے، مگر پستیر اس سے کہ یہ ارادے عملی صورت اختیار کریں محمود و دنیا سے رحلت کر گیا،

محمود اور مسعود دونوں حجاج کو آسائش پہنچاتے تھے، محمود نے بڑی بڑی رقوم بدوی قبائل کو نذر کیں تاکہ زائرین کے قافلوں کو غارت کرنے سے باز رہیں، اسی طرح مسعود کا روانہ حجاج کی حفاظت اپنا فرض سمجھتا تھا، چنانچہ قادر کی وفات پر بغداد سے جب ایک سفیر تجدید فرمانِ خلافت کے لئے پہنچا تو مسعود نے اس کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرائی اور ولیمیون کو پیام دیا کہ اسی قسم کی آسائش زائرین بیت اللہ کیلئے پیدا کریں، ہم شرعی حقوق کے تحفظ کے لئے متقی اور ذمی علم مفتی اور فقیہ منتخب کئے جاتے تھے

اور ملک میں قضا کے عہدوں پر ممتاز ہوتے تھے، ہر قصبہ میں ایک قاضی اور ہر صوبہ میں ایک قاضی القضاۃ رہتا تھا، قضاۃ کے مشاہرے معقول ہوتے تھے، اور بہ روا نظام الملک ان کی برطرفی صرف اس صورت میں عمل میں آتی تھی، کہ ادائے فرض منصبی میں غیر معمولی بد اعمالی کے مرتکب ہوں، وادگسری کے علاوہ قضاۃ کے ذمے اور بھی خدمات تھیں، قاضی کا عہدہ بہت اہم تھا، کہا جاتا تھا کہ مسلمانوں کا جان و مال اس کے اختیار میں رہتا تھا، مقامی حکام اس کے فتوے نافذ کرتے تھے، اور حکم عدویٰ کرنے والوں کو سخت سزا ملتی تھی،

۵۔ غزنیوں کا مالی نظام کیا تھا، اس کی تفصیلات معلوم نہیں، مگر گمان غالب ہے

کہ آمدنی کے مخصوص ذرائع وہی تھے جو خلافت کی قلمرو میں قائم کئے گئے تھے مستقل طور پر
 جن وسائل سے وصول یا پائی ہوتی تھی ان میں خاص طور پر قابل ذکر یہ ہیں، اول مالگزار کی
 دوم زکوٰۃ جو مسلم آبادی کے مال پر ڈھائی فیصدی کے حساب سے لیجاتی تھی، سوم خرچ اور
 تحائف جو ماتحت رئیس اور والیان ملک ادا کرتے تھے، چہارم چاندی اور سونا، جو کانوں
 سے برآمد ہوتا تھا، پنجم غزنی کی حدود سے گزرنے والی اشیاء کے درآمد و برآمد کے محاصل،
 ناچار محاصل جنکو فقہوں کے اصطلاح میں مکوس کہتے تھے، غزنوی قلمرو میں لئے جاتے
 تھے یا نہیں معلوم نہیں ہوتا، بہر حال اس آمدنی میں محمود کی ہندی حروب اپنی غنیمت سے
 اضافہ کر دیتی تھیں لیکن اسکی فاتحانہ یورشیں اگرچہ محمود اور اس کے سپاہیوں اور سرداروں
 کو دولت مند کر دیتی تھیں، مگر رعایا کے لئے غارت گرتا بہت ہوتی تھیں، ہندوستان کی دولت
 دربار کی شوکت بڑھانے کے لئے عالیشان عمارتوں پر صرف ہوتی تھی، لہذا محمود کو
 ہندوستان پر حملہ کرنے کی مستقل ضرورت رہتی تھی، ایک نم پر روانہ ہونے سے قبل
 محمود نے حکم دیا کہ ضروری رقم دو روز کے اندر جمع کر لیجائے، نتیجہ یہ ہوا کہ یہ رقم عمال سلطنت
 کو دینا پڑی جو بقول عینی کے پشم تراشیدہ بھیڑوں کی طرح ننگے کر دیئے گئے، یہ کہنے کی
 ضرورت نہیں کہ ان عمال نے جتنا امیر کو دیا ہوگا اس سے زیادہ غریب رعایا سے وصول
 کر لیا ہوگا، بیش قرار محاصل کا اثر یہ تھا کہ قابل زراعت اضلاع بڑی حد تک ویران پڑ
 رہتے تھے، آب پاشی کے وسائل بعض مقامات پر بالکل نابود ہو گئے تھے اور بعض جگہ
 خراب و خستہ ہوتے جاتے تھے، مسعود کے دور میں غریبوں کی تحلیف اور بھی زیادہ

ہو گئیں، محمود کا قوی ہاتھ نہ رہا تو وہ امن بھی جو اس کے ہمراہین میسر تھا رخصت ہو گیا،
 ابو لفلکل سورجی خراسان کا ناظم تھا اور جس سے امیر کو گرانقدر تحائف وصول ہوتے تھے قزاقوں
 کی غارتگری میں حصہ لیتا تھا اور یہ قزاق بغیر کسی اندیشے کے اپنا کام کرتے اور رعایا کو بھرنے
 کے بوٹتے تھے، اہل ملک عاجز آ گئے اور زمینداروں نے ماوراء النہر کے ترکی سرداروں
 سے امداد طلب کرنا شروع کر دی، لہذا ماوروسی کی شرط پنجم کا جزو ثانی صحیح معنی میں تکمیل پانچواں
 مگر اسی کے ساتھ یہ واقعہ ہے کہ کبھی کبھی رعایا کی جائز شکایات کو امیر سنتا تھا، اور مصیبت کے
 وقت کسی حد تک امداد کرتا تھا، جب اپنے عالیشان باغ کے مصارف کے لئے محمود
 نے مزید محصول قائم کیا تو لوگوں نے احتجاج کیا اور بلخ کے ایک کوچے میں اس کو روک
 لیا، محمود کو ان کا مطالبہ تسلیم کرنا پڑا اور محصول اٹھایا گیا، ۱۰۱۱ھ میں قبل از وقت برف
 ہو جانے سے فصلیں خراب ہو گئیں، وزیر نے مالگذاری معاف کر دی اور کاشتکاروں
 کو مویشی اور بیج خریدنے کے لئے قرضے دیئے گئے،

۴۔ مظلومین کی داد رسی کے لئے "عدالتِ مظالم" میں امیر روزانہ رونق افروز ہوتے
 اور امیر و غریب کے ساتھ یکساں انصاف کرتے تھے، اس کے علاوہ تمام شہزادے، وزیر
 صوبہ دار سپاہیوں کے سردار اور دیگر اراکین حکومت اپنی اپنی عدالتیں قائم کرتے تھے
 یہاں ایسے نزاعات جو ان کے محکوموں سے متعلق تھے، یا جن میں فقہ دانی کی ضرورت
 نہ تھی فیصل ہوتے تھے، محمود کا معیار عدل بہت بلند تھا، اضلاع میں عمال حکومت کی
 کارروائیوں سے باخبر رہنے کے لئے اس نے جاسوس اور واقعہ نویس ساری قلمرو میں مقرر

کر دیئے تھے، محمود کے سامنے شرافت اور مرتبہ کی بنا پر رعایت طلب کرنے کی کسی کو مجال نہ تھی۔
 وہ ہر ممکن صورت سے قانون کا احترام قائم کرنا چاہتا تھا، لیکن یہ واقعہ ہے کہ وہ مقدمات جو خود امیر کی
 تھی، قلیل التعداد ہوتے تھے، ملک میں قزاق پیشہ سرداروں کے قلعے چلیا موجود تھے اور ایک مقام سے
 دوسرے مقام تک پہنچنا خطروں سے خالی نہ تھا، مگر باہنہ اس فتنہ کو دوڑ کر نہ کیلئے کوئی مستقل کوشش نہ کی گئی،
 ۷۔ امیر محمود اور اسکے جانشین محمود کو گوارا نہ تھا کہ سنی جماعت کے مسلمہ عقائد سے ہر کوئی انحراف کرے،
 تمام بے دین عناصر کا انسداد کر کے مذہب کا تحفظ کرتے تھے، مسلم رعایا کے عقائد کا احتساب کیا جاتا
 تھا، اور گمراہوں کو سزا دینے کیلئے ایک عدل مقرر تھا، قرطبی، طبری اور متزلہ کی کتابیں جہاں ملتیں جلاویج
 اس طریق کار کا اثر یہ ہوا ہوگا کہ محمود اور خلیفہ کے پسندیدہ عقائد کو تقویت پہنچی ہوگی، اگرچہ امیر نہ مبلغ تھے
 نہ مبلغ ان کے فرائض میں داخل تھی پھر بھی ہم ان کو اس جذبہ سے خالی نہیں پاتے، اکثر مبلغین محمود کے سپاہیوں
 تھے، پھر غیر مسلموں کو دعوت حق دینے کیلئے پہنچتے تھے، نو مسلموں کو مبادیات دین تعلیم کرنے کیلئے محمود
 نے استاد مقرر کئے تھے، اور تمام ملک میں مساجد تعمیر کرادی تھیں، غزنویوں کی خانگی زندگی بہت کم معلوم
 ہو، مگر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کا عمل مسلم ضابطہ اخلاق کے مطابق ہوتا تھا، مذہبی فریضے وہ پابندی کیسے
 ادا کرتے تھے، نماز مستقل طور پر پڑھتے تھے، قرآن پاک تلاوت کرتے تھے، اور زکوٰۃ نکالتے تھے، اسکے
 علاوہ مسکین کی امداد کیلئے گرانقدر رقوم عنایت کرتے تھے، اہل علم اور معذوروں کو معقول وظیفے
 دیتے تھے، مگر ان سب باتوں کے باوجود شراب سے شغل کر لیتے تھے، البتہ ان کی محفل عیش ایک
 مخصوص حلقہ تک محدود رہتی تھی، اور خود ان کے جلسے محتسب کے ڈر سے نشہ کی حالت میں
 باہر نہ نکل سکتے تھے،

ساتواں باب

خلافتِ آلِ سلجوق

آلِ سلجوق نے جس وقت میدانِ سیاست میں قدم رکھا، اس وقت خلیفہ کا اقتدار تنزل کی آخری حد تک پہنچ چکا تھا، بغداد اور نواحی بغداد میں اس کا باعث دیلمی یعنی آلِ بویہ ہوئے تھے تو ایران میں سلاطینِ غزنویہ، یہ صحیح ہے کہ دیلمیوں کے زوال پر خلیفہ نے اپنی عظمت دوبارہ قائم کرنے کے لئے کوشش شروع کر دی تھی، کبھی تو متاخر دیلمی امیرون کے ظلم و پیداد کے خلاف وہ عدل اور انصاف کے علمبردار بنتے تھے اور کبھی شیعہ اور سنی جماعتوں کے مذہبی نزاعات میں ثالث کی خدمت انجام دیتے تھے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ دیلمیوں کے آخری عہد میں نہ امیر اس قابل تھے نہ خلیفہ کہ سرکش ترکوں کو اپنی قوت محسوس کرا سکیں، ان کو تو کوئی قومی ہاتھ ہی قابو میں رکھ سکتا تھا، خود ترکوں میں اس وقت کوئی قابلِ سردار نہ تھا، جو حکومت کا نظم و نسق سنبھال لیتا مگر وہ یہ بھی اجازت نہ دیتے تھے کہ آلِ بویہ کا کوئی قابلِ فرد اس خدمت کو انجام دے،

۱۰۲۶ء میں انھوں نے خلیفہ سے درخواست کی کہ کسی سردار کو ان کا حاکم مقرر

کر دیا جائے، لیکن جب یہ خدمت جلال الدولہ کو تفویض کر دی گئی تو انھوں نے متعدد مرتبہ اس کے خلاف سرکشی کی، اس کے مسکن کو محصور کر لیا، اس کے اہل خاندان پر ظلم کئے، خود جلال کو مختلف طریقوں سے ذلیل کیا، اور چند مرتبہ خلیفہ پر جبر کر کے اس کا نام خطبے سے خارج کرادیا، اس دورِ جمود میں سیاسی حیثیت سے خلافت اور امارت دونوں بے اثر ہو گئی تھیں، اثرار کو اپنی حرکات سے باز رکھنے کے لئے کوئی طاقتور حکمران موجود نہ تھا، بدعقلی، بد نظمی اور بد اخلاقی ہر جگہ عام ہو گئی تھی،

اگرچہ خلیفہ کے سیاسی اختیارات علی طور پر آل بویہ نے غصب کر لئے تھے، لیکن مصلحتاً وہ ضروری سمجھتے تھے کہ بعض احکامات خلیفہ کی نمر سے ہی صادر کئے جائیں، جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے، بعض سیاسی امور میں شفق اور پروا نے خلیفہ کے نام سے جاری ہوتے تھے بلکہ وزیر اور صوبہ داروں کے تقریر میں بھی خلیفہ کو جزواً مختار رہنے دیا گیا تھا، حکام کے نام فرداً فرداً فرامین عطا کرنے کے دستور سے یہ فائدہ تھا کہ خلیفہ کو ان لوگوں سے براہ راست تعلق قائم کرنے کا موقع حاصل رہتا تھا، اس کے علاوہ آل بویہ خلیفہ کی تمام ذمہ داریاں پوری نہ کر سکتے تھے، چنانچہ ان کو سلطان کے لقب سے کبھی سرفراز نہ کیا گیا، لہذا آل بویہ کی قائم کی ہوئی سلطنت اگرچہ بجائے خود ایک واقعی چیز تھی، مگر آزادی کے مرتبہ تکمیل کو نہ پہنچ سکی تھی، اور شرعی حیثیت سے مکمل سلطنت نہ کہی جاسکتی تھی، ان کے برعکس غزنوی حکمرانوں نے سلطان کا لقب خود اختیار کر لیا تھا، لیکن بغداد کے دربار میں ان کا اثر اتنا نہ تھا کہ اس لقب کو دربار خلافت سے منظور کرا سکتے، سلطنت فی الواقع وجود میں تو آگئی تھی، مگر ہنوز

ایک منصوبہ حق کی حیثیت رکھتی تھی جو قانونی جواز کی سند سے محروم تھا اور جس کو سرکاری سرکاری
 اور سکون میں تسلیم نہ کیا جاتا تھا، تا وقتیکہ آل بویہ اور غزنوی امیرون کے اختیارات ایک
 سنی حکمران کی ذات میں جمع نہ ہو جاتے، سلطنت کی قانونی بنیاد مستحکم نہ ہو سکتی تھی، بعد
 اور ایران میں خلافت عباسیہ کی یہ حالت تھی کہ سلجوقیوں کا سیلاب نمودار ہوا اور غزنوی
 اور آل بویہ دونوں کو بے دخل کر دیا،

یہ امر مسلمہ ہے کہ نو مسلم ہونے کے باعث سلجوقی شدت کے ساتھ پابند مذہب تھے لہذا
 منصب خلافت کو تسلیم کرنا وہ اپنا فرض سمجھتے تھے، مسعود سے نسا وغیرہ کے اضلاع
 اپنے نام مقرر کرانے کے لئے حاکم خراسان کو جو عریضہ لکھا گیا تھا اس میں سلجوقی امیر نے خود
 کو امیر المؤمنین کا ادنیٰ پروردہ دولت ظاہر کیا تھا، دوسری طرف خلیفہ کو اپنے اختیارات کے
 اٹھار اور آل سلجوق سے اطاعت طلب کرنے کا جب موقع ملتا تھا وہ اس سے فائدہ اٹھاتا
 تھا، ۵۲۲۹ء میں جب مرو اور نیشاپور میں طغرل کی بادشاہت کا اعلان ہوا اور تمام مقبوضات
 میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا تو اس کے بھائی داؤد نے ان علاقوں میں قتل و غارت
 کا وہ بازار گرم کیا کہ خلیفہ کے کان تک اطلاع پہنچیں، چنانچہ قائم نے اپنی ذمہ داری محسوس
 کی اور ایک سفیر طغرل کے پاس اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ یہ ظلم و تشدد بند کر دیا جائے،
 خلیفہ کا منشا پورا ہوا، طغرل نے قاصد کی مناسب تعظیم و تکریم کی اور اپنی حرکات سے باز آ گیا
 لیکن آل سلجوق اور خلافت عباسیہ کا براہ راست تعلق اس وقت سے شروع ہوتا
 ہے جب کہ ۵۳۱ء میں دلتقان کے مقام پر مسعود کو سلجوقیوں کے مقابلہ میں شکست ہوئی

اس معرکے کے بعد سب جو قیون نے باہم مشورہ کرنے کے بعد خلیفہ قائم کو عریضہ ارسال کیا جس میں تحریر تھا کہ ہم نے خلیفہ اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت سے کبھی روگردانی نہیں کی ہے اور جہاد اور حج کے فرائض ادا کرتے رہے ہیں، اس مراسلت میں محمود کی یہ شکایت بھی کی گئی تھی کہ اس نے سب جو قی امیر کے چچا اسرائیل کو قید خانے میں بند کر دیا تھا، درآنحالیکہ ان کی طرف سے شکایت کا کوئی موقعہ نہیں دیا گیا تھا، اسی کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا تھا کہ مسعود امور سلطنت سے غافل اور شراب نوشی، عیاشی اور لہو و لعب میں مبتلا رہا، یہ بھی مذکور تھا کہ عمائدین و شرفاء خراسان نے غزنوی حکومت کی بیخ کنی میں ان کی رفاقت چاہی تھی، اس کے بعد مسعود کی شکست کا حال بیان کیا گیا تھا اور لکھا تھا کہ یہ فتح ہم کو تائید ایزدی سے نصیب ہوئی ہے جس کا شکر ادا کرنے کے لئے ہم ملک میں عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کر رہے ہیں اور رعایا پر ظلم روا نہیں رکھتے، آخر میں یہ درخواست تھی کہ مفتوحہ ممالک کی حکومت تفویض فرمائی جائے تاکہ حسب آئین شریعت و احکام خلافت ملک کا نظم و نسق درست کیا جائے، مذکورہ بالا خط کی عبارت صاف منظر ہے کہ سب جو قیون نے کس مصلحت سے مجبور ہو کر خلیفہ سے سب جو حکومت کی استدعا کی تھی، اس درخواست کا سبب محض ایک مذہبی شرط کو پورا کرنا تھا، اب تک یہ اعتقاد تھا کہ خلیفہ کی اجازت کے بغیر امور مذہبی کا سرانجام مثلاً قضاة وغیرہ کا تقرر شرعاً جائز نہ ہو سکتا تھا، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ سب جو قیون کو خود اپنے ضمیر کی تسلی منظور تھی، نہ کہ رعایا کی تسکین، رعایا اس سے پہلے ہی ان کے نام کا خطبہ پڑھ رہی تھی، طغرل کو سلطان المعظم کا لقب دیا جا چکا تھا، اور اس کی حکومت

عام طور پر مسلم ہو چکی تھی، اس امر کی شہادت کہ خلافت کی منظوری محض مذہبی نقطہ نظر سے ضروری سمجھی جاتی تھی اس واقعے سے ملتی ہے کہ سفیر کے روانہ ہوتے ہی سلجوقی امرانے ان ممالک کو جو اس قدر آسانی سے ہاتھ آگئے تھے باہم تقسیم کرنا شروع کر دیا، سفیر کے پہنچنے ہی خلیفہ نے اپنا ایک معتمد ملازم مہر و محبت کے پیام دے کر طغرل کے پاس روانہ کیا، جسکو یہ حکم بھی تھا کہ طغرل سے بغداد آنے کی درخواست کرے،

۶۱۰۵۵

۶۱۰۵۵ء تک طغرل کو معاملات بغداد کی طرف توجہ کرنے کی فرصت نہ ملی،

۶۱۰۵۵ء میں خلیفہ کی اجازت سے وہ پہلی مرتبہ دار الخلافۃ اسلام میں حاضر ہوا، اس کا خیر مقدم بڑے

تپاک کے ساتھ کیا گیا، رکن الدولہ کا خطاب عنایت ہوا اور حکم دیدیا گیا کہ ملک الرحیم

کی بجائے اس کا نام خطبون میں شامل اور سکون پر مضروب کیا جائے با این ہمہ

غز سپاہیوں اور اہل شہر کی شوریدہ سری کے سبب سے طغرل اور خلیفہ کے تعلقات خوشگوار

نہ رہ سکے، اہالیان شہر کو بہت سے مصائب برداشت کرنا پڑے اور خلیفہ کے احتجاج

کے باوجود ملک الرحیم کو شروان پہنچا کر نظر بند کر دیا گیا،

۶۱۰۵۶ء میں بغداد میں پھر بڑے تڑک و اعدشام کے ساتھ طغرل کا خیر مقدم کیا

گیا یہ اس خدمت کا صلہ تھا کہ طغرل نے بوس بن صدوق بن مزید اور بسا سیری کو شکست دی تھی، جو

ایک شیعہ مذہب ترکی سردار تھا اور جس نے موصل میں خلافت بغداد سے باغی ہو کر

مصری خلافت کی اطاعت قبول کر لی تھی، اس مرتبہ طغرل کو کاروبار خلافت سپرد کیا

گئے، چنانچہ امیر المؤمنین نے "رئیس الرؤسا" سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "تمہاری خدمات"

اعتراف کیا جاتا ہے اور تمہاری مساعی کے ہم ممنون ہیں، اللہ نے جن ممالک پر ہم کو حکمران کیا ہے، ان سب کا انصرام ہم تمہیں تفویض کرتے ہیں، خلقِ خدا کی خبر گیری اب تمہارے ذمہ ہے، تمہیں لازم ہے کہ خدا نے جو اختیار تمہیں عطا فرمایا ہے اس کو خدا ترسی کے ساتھ استعمال کرو، انعامِ الہی کے شکر گزار رہو، انصاف کو عام کرو، بد اعمالیوں کی جڑ کاٹو اور فلاحِ رعیت کیلئے کوشاں رہو۔ اس کے بعد خلعت طوق اور کنگن منہ ایک مطلقاً اور معطر دستار کے عنایت کئے گئے، جو اس امر کی دلیل تھی کہ عربی اور عجمی تاج متحد ہو گئے ہیں، خلیفہ نے دو شمشیریں بھی مرحمت فرمائیں، اور ملک الشرق والغرب کے لقب سے سرفراز فرمایا، طغرل نے خلیفہ کے دست مبارک کو بوسہ دے کر اور آنکھوں سے لگا کر اپنی بندگی کا اظہار کیا، تاریخ خلافت میں جہاں تک ہمیں معلوم ہو اپنی قسم کا یہ پہلا فرمان طغرل سے پہلے کسی کو ان تمام ممالک کی حکومت جن پر خلیفہ منجانب اللہ مامور تھا، تفویض نہ کی گئی تھی، خود خلافت نے آخر کار سلطنت کے چہرے پر جواز کی ہر لگا دی،

۱۰۵۹ھ میں طغرل نے تیسری مرتبہ بغداد حاضر ہو کر خلیفہ قائم کو پھر منصبِ خلافت پر فائز کیا، تو سلاطین کا وقار اور بھی افزون ہو گیا، اس کی عدم موجودگی میں بسا سیری نے قائم کو قید کر کے مصری خلافت کی اطاعت کا اعلان کر دیا تھا، اس موقع پر خلیفہ نے وہ ایک تلوار جو اسکے پاس باقی رہ گئی تھی، سلطان کو مرحمت فرمائی اور رکن الدولہ کی بجائے کنالد کا لقب عنایت کیا،

طغرل کو بغداد پر قابض ہو جانے کا خیال بھی نہ تھا، درحقیقت وہ بغداد کی حکومت

خلیفہ کے ہاتھ میں چھوڑ دینا چاہتا تھا، مگر خلیفہ کی پست جو صلگی سے مجبور ہو کر جو طغزل کے وزیر نے اپنی ذہانت سے دریافت کر لی تھی، ادارہ اختلاف کو براہ راست زیر تصرف رکھنا پڑا، سیاسی اختیار کا جہان تک تعلق ہے، خلافت کی بے بسی عہدِ دیالمہ سے کچھ کم نہ تھی، بہر حال طغزل نے جس سلطنت کی بنیاد ڈالی اس کا مرتبہ سابق اور مابعد حکومتوں سے کہیں زیادہ بلند تھا،

بغداد میں سنی سلطنت قائم ہو جانے سے تاریخ خلافت کا ایک نیا دور شروع ہوا، ایران، عراق، شام اور ایشیائے کوچک فتح کر کے سلجوقیوں نے ان منتشر بلاد اسلامیہ کو جن کے حکمران باہمد گر حرلیف و معاند تھے، پھر شخص واحد کے زیر حکومت کر دیا، این پول کے بقول انھوں نے "مسلم کے تن افسردہ میں نئی روح پھونک دی، حملہ آور عیسائیوں کو پس کیا اور سرفروش مجاہدین کی وہ جماعت پیدا کر دی جو حروب صلیبیہ میں مسیحی شکست کا سب سے بڑا سبب بنی۔ سلجوقی اقتدار کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا کہ جہان جہان ان کا اثر تھا شیعہ تحریک جو دہلیوں اور فاطمیوں کی بدولت روز بروز وسعت پائی جاتی تھی، سنی مذہب سے مغلوب ہو گئی، سلجوقی عقیدے میں عباسی خلیفہ تمام صحیحہ المذہب مسلمانوں کا امام تھا، چنانچہ وہ عباسی خلافت کے حامی اور فاطمی خلافت کے علانیہ دشمن بن گئے، اسماعیلیوں کی خطرناک جدوجہد کو انھوں نے پوری سرگرمی کے ساتھ روکا اور سنی علماء کی حمایت میں ساعی رہے، سلجوقی فتوحات کے سیلاب نے ان کے تمام مفتوحہ ممالک میں عباسی خلافت کا مذہبی اقتدار قائم کر دیا، اس کے علاوہ سلجوقی قوت کے خوف سے بہت

آزاد حکمران فاطمی امامت سے منحرف ہو کر عباسی خلافت کو تسلیم کرنے لگے یہی زمانہ تھا جب کہ حرین میں عباسی خلیفہ کے نام کا خطبہ پھر سے شروع ہوا، عباسی خلافت کے حدود اثر میں ان دو مقامات کے شامل ہونے سے عباسیوں کا وقار کہیں زیادہ بڑھ گیا،

خلافت کا منصب آل سلجوق کے نزدیک ایک مذہبی ادارہ تھا، چنانچہ ^{بن} نے خلیفہ کو حسب سابق اسی کے حال پر چھوڑ دیا، خلیفہ کا انتخاب ہوتا تو وزیر قضاة اور دیگر اراکین حکومت رسمی شوریٰ کرتے اور مرحوم خلیفہ کا فرزند بالعموم منتخب کر لیا جاتا، چونکہ اکثر خلفاء زندگی ہی میں ولیعهد نامزد کر دیتے تھے، انتخاب کا موقع ہی نہ رہتا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ یہ منصب ایک خاندانی جائداد بن گیا جس کا ملنا مرحوم خلیفہ کی نامزدگی پر منحصر ہوتا تھا، گویا وہی النظر میں یہ واقعہ صحیح نہیں معلوم ہوتا، مگر ^{حقیقت} یہ ہے کہ سلجوقی سلاطین نے خلفاء کے انتخاب میں کبھی مداخلت نہ کی، دہلی دو کی طرح انھوں نے خلفاء کو کبھی حکماً معزول نہیں کیا، ان کے عہد میں خلیفہ اپنے گزارہ کی معین رسم اور ذاتی املاک کی آمدنی اطمینان کے ساتھ خرچ کرتا تھا اس کو جائداد کی ضبطی یا فتدی کے مطالبات کا خوف نہ تھا، اس کے علاوہ مخصوص مواقع پر سلجوقی سلاطین کثیر رقوم اور بیش قیمت تحائف خلیفہ کو نہ دیتے رہتے تھے،

خلیفہ کو یہ بھی اجازت تھی کہ اپنا وزیر خود منتخب کرے، لیکن خلیفہ کے حقیقی اختیارات میں

چونکہ کوئی اضافہ نہ ہوا اس لئے وزیر کے اختیارات بھی وہی رہے جو سابق دور میں معتمد کو حاصل تھے، اور اس انقلاب سے صرف اتنا تغیر عمل میں آیا کہ معتمد کا لقب بدل گیا، با این ہمہ اس عہد کا یہ وقار تھا کہ لوگ بغیر معاوضہ کے حاصل کرنے کے خواہشمند رہتے تھے، سلاطین بھی اسکی اہمیت جانتے تھے، کیونکہ ان کے اور خلیفہ کے باہم تعلقات کی شگفتگی بہت کچھ وزیر پر منحصر ہوتی تھی، اس لئے وزیر کے تقریریں ہر سلطان دخل دیتا تھا، مگر انتہائی احتیاط کیساتھ ان وزیروں میں اکثر کا تقریر اور برطرفی سلاطین کی ہدایت سے عمل میں آئی، ان اختیارات پر جو خلیفہ کے ساتھ مخصوص تھے اگر نظر کیجائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں خلیفہ کو ان کے استعمال میں دینی عہد سے زیادہ آزادی حاصل تھی، اب بغداد کے سکون پر صرف خلیفہ کا نام ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ امیر المومنین کا لقب بھی نظر آتا ہے جو ویلیون کے زمانے میں منقود ہو گیا تھا، طغرل کے بعد بغداد کے سکون پر کہیں سلطان کا نام نہیں ملتا،

اس کے یہ معنی ہیں کہ سلجوقیوں کے دنیوی اقتدار کو دربار خلافت میں قانوناً تسلیم کیا جاتا تھا، سلجوقی مملکت کے دوسرے حصوں میں کہیں رُو اور کہیں سکے کی پشت پر خلیفہ کا نام اور لقب مسکوک ہوتا تھا،

خطبے کے باب میں سلجوقی سلاطین اس امر کی سخت پابندی کرتے تھے کہ ان کی تمام قلمروں میں خلیفہ کا نام ضرور پڑھا جائے، حالانکہ چند مرتبہ بغداد کے خطبوں سے سلطان کا نام حذف ہو گیا، مگر انھوں نے کبھی انتقاماً خلیفہ کا نام خارج نہ کیا،

خطبات کی تقسیم میں بھی خلیفہ کو زیادہ آزادی حاصل تھی، اگرچہ بعض اوقات معمولی معمولی سلجوقی والیان ملک کو بڑے بڑے مہتمم باستان خطبات دینے پر خلیفہ مجبور ہو جاتا تھا، اب سلطان خلیفہ کا احترام کمین زیادہ ملحوظ رکھتے تھے، اور اس کا سبب صرف سیاسی مصلحت نہ تھی، بلکہ یہ وجہ بھی تھی کہ خلیفہ کی مذہبی قیادت مسلم تھی، دنیوی اختیار کھو کر خلفائے اپنی مذہبی سیادت اور شخصیت کو بہت زیادہ اہمیت دینے لگے تھے، عوام کا تو ذکر ہی کیا ہے خود سلجوقی حکمران خلیفہ کی مقدس حیثیت تسلیم کرتے تھے اور بعض مرتبہ محض اتفاقی امور کو اس کی روحانی قوت کی طرف منسوب کیا جاتا تھا، خلیفہ کا مرتبہ ایسا تھا کہ سلاطین سلجوق اپنی بیٹیاں اور بہنیں اس کے نکاح میں دینا فخر سمجھتے تھے،

با این ہمہ سنی سلطنت کے وجود سے خلافت کو ایک نقصان بھی تھا، جیسا کہ پہلے باب میں ذکر ہو چکا ہے، خلیفہ ایک جسم بے جان رہ گیا تھا، قابل اور قوی تر حکمران اسکو اپنے حال پر نہ چھوڑ سکتے تھے، مگر ایک طرف تو عباسی خاندان کو عزت اور احترام کیسا تھا دیکھا جاتا تھا اور بعض احادیث ان کے حق خلافت پر حجت تھیں، دوسری طرف خلیفہ کے سیاسی اور مذہبی فرائض کے درمیان کوئی خطا فاصل قائم کرنا ممکن نہ تھا، جس کے باعث نظام حکومت ایسا پریچ ہو گیا تھا کہ منصب خلافت کو برقرار رکھنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، ان دو وجوہ سے خلیفہ کا وجود مجبوراً روار کھا گیا، امام غزالی جو اوائل عہد سلجوق میں گذرے ہیں اور جنکا شمار اسلام کے اہل حکماء میں ہوتا ہے مذکورہ بالا استدلال کی تصدیق کرتے ہیں، امام صاحب فرماتے ہیں کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ امامت ختم ہو چکی، کیونکہ امام میں

ضروری اوصاف موجود نہیں اور اس کا قائم مقام تلاش نہیں ہو سکتا ہے، مگر پھر کیا شریعت
 کی پابندی ترک کر دی جائے، کیا قضاہ کو علیحدہ کر دین اور تمام ارباب حکومت کو بے سود
 سمجھنے لگیں، کیا نواح کا دستور ختم کر دین اور اہل اختیار کے ہر فعل کو ناجائز قرار دے کر عوام
 کو گناہ میں مبتلا رہنے دین، اس کی بجائے یہی کیوں نہ کریں کہ جس طرح گذر رہی ہے گزائے
 جائیں، امامت کو فی الحقیقت برقرار تسلیم کریں اور ضرورت وقت اور حالات موجودہ کو
 دیکھتے ہوئے حکومت کے ہر فعل کو جائز مانیں۔ اگر صحیح معنوں میں انتخاب عمل میں آتا تو سب سے
 زیادہ اہل اور مستحق شخص منصب خلافت پر مقرر ہو جاتا، مگر یہ نہ ہوا، تو قدرتی اسباب نے اپنا
 کام کیا اور جس کے پاس قوت سب سے زیادہ تھی وہی اختیار اور حکومت کا مالک بن گیا،
 یہ ہے کہ خلافت کے منصب نے جو حیثیت اختیار کر لی تھی اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ سلاطین
 وجود میں آجاتے، ان حالات میں خلافت کو قائم رکھنا ضرور تھا، مگر اسی کے ساتھ سلطنت
 کے لئے جگہ پیدا کرنا تھی، اس مشکل سے مفر حاصل کرنے کے لئے ایک درمیانی راہ تلاش کرنا پڑی
 ایک نمائشی رسم کے ذریعے سے سلطنت کو جواز کا مرتبہ دیا گیا، اور وہ رسم یہ تھی کہ خلیفہ کی طرف
 سے سلطان کے نام فرمان عنایت ہونے لگا، اس نمائش نے سلطنت کو جو درحقیقت زور
 اور قوت کے بل پر قائم ہوئی تھی شریعی اباحت کا جامہ پہنا دیا،
 اس وقت تاریخ خلافت میں پہلی مرتبہ یہ منظر دیکھنے میں آیا کہ خلیفہ کے دوش بدوش
 ایک سلطان بھی موجود تھا، جس کو اس مرتبہ بلند کا قانوناً مستحق بنا دیا گیا تھا، لیکن اس کا
 تلوار کی قوت پر مبنی تھا، اور اس قوت کے علاوہ اور کوئی طاقت اس کو معزول نہ کر سکتی

تھی، سنی المذہب سلطان کو اب وہی فرائض انجام دینے نہ تھے جو مسلم فقہانے امرے
 ”الاولامر“ کے ذمے عائد کر دیئے تھے، بلکہ اس سے یہ توقع کیجاتی تھی کہ تمام وہ ذمہ داریاں
 پوری کرے گا جو خود خلیفہ کے فرائض میں داخل تھیں، جب تک سلطان ان خدمات کو
 پورا کرتا رہتا، ملک کا نظم و نسق احکام شریعت کے بموجب درست رکھتا اور مخلوق
 کو سکون اور امن حاصل رہتا، اس کے خلاف ایک انگلی بھی نہ اٹھتی،

بھوتی ہمدین سلطان کے لفظ میں ایک نئی اہمیت پیدا ہو گئی، اب یہ کوشش
 ہونے لگی کہ اس کا اطلاق اس شخص پر کیا جائے جو خلیفہ کے دنیوی اختیارات کا بلا شکت
 غیرے مالک ہو، اصولاً اب یہ لازم ہو گیا کہ ایک وقت میں صرف ایک ہی شخص کو
 یہ منصب حاصل ہو، چنانچہ محمد بن ملک شاہ کے عہد تک ایران میں اس خاندان کے
 دوسرے حکمران ”ملک“ یا اسی قسم کے اور ادنیٰ القاب پر قانع رہے، نظام الملک نے
 اپنے مشہور ”سیاست نامہ“ میں سلطنت کو قانونی شکل دینے کے لئے ایک جدید نظریے
 کی بنیاد رکھی اور اس کا مقصد غالباً یہی تھا کہ سلطان کے لئے جتنی کو سند جواز مل جائے
 روایت یہ ہے کہ منجملہ دیگر اشخاص کے نظام الملک سے بھی فرمایش کی گئی تھی کہ سیاسی مسائل
 پر ایک کتاب تصنیف کرے، تاکہ جو اصول اس میں قائم کئے جائیں وہ ہر اسلامی حکومت
 کے مشعل ہدایت کا کام دین، اگرچہ کتاب کا اصل موضوع سیاست اور وہ طرز عمل ہے
 جو عملی نقطہ نظر سے حکمرانوں کو اختیار کرنا چاہئے، تاہم فاضل مصنف نے سلطنت کی تبدیلی
 اور سلاطین کے فرائض اور ذمہ داریوں سے چند صفحات میں بحث کی ہے، سلاطین کے

دنیوی اختیارات نظام الملک کے نزدیک خلیفہ کا عطیہ بھی نہیں، اس کی بجائے وہ سلطان کو
 مامورین اللہ تصور کرتا ہے، وہ کہتا ہے ہر زمانے میں خداے تعالیٰ اپنے بندوں میں سے
 ایک کو منتخب کر لیتا ہے، اوصاف سلطانی اس میں پیدا کر دیتا ہے اور مخلوق کی فلاح اور
 ملک کا امن اس کو سپرد کر دیتے جاتے ہیں، انسانوں کے دلوں میں اس کا خوف اور اسکی
 عظمت قائم کر دی جاتی ہے تاکہ اس کے عدل کے سایہ میں لوگ امن سے زندگی بسر
 کر سکیں۔ سلاطین کے فرائض کی نسبت وہ کہتا ہے کہ ان کو رعایا کے ساتھ انصاف اور عدل
 کا برتاؤ کرنا چاہئے اور اس کے عوض دوہرے صلہ کی امید دلاتا ہے، اول تو سلطنت ہمیشہ
 ان ہی کے خاندان میں رہے گی اور دوسرے آخرت میں اللہ اجر عنایت فرمائے گا،
 بہت سے دلچسپ اور سبق آموز قصے نقل کر کے نظام الملک نے صراحت کیساتھ نہیں تو
 ضمناً سلطان کو اپنے اور نیز عمال کے ہر تشدد و ظلم اور غفلت کا جوابدہ ٹھہرایا ہے، مگر وہ رعیت
 کو حکمران سے باز پرس کرنے کا حق نہیں دیتا، بلکہ کچھ عجیب دلائل دے کر یہ ثابت کرتا ہے کہ
 جب تک لوگ احکام شریعت کے پابند رہیں گے، خداے تعالیٰ ان پر اچھا فرما کر وہ
 مامور کرتا رہے گا۔ جب انسانوں سے قانون شریعت کی نافرمانی اور تحقیر کے آثار ظاہر ہونے
 لگتے ہیں تو غضب الہی اس صورت سے نمودار ہوتا ہے کہ عادل حکمران کا سایہ ان کے
 سر سے اٹھ جاتا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بد نظمی شروع ہو جاتی ہے، خون کی ندیاں بہنے لگتی
 ہیں، جو شخص ذمی قوت ہوتا ہے حکومت پر قبضہ کر لیتا ہے اور پھر مخلوق پر جبارانہ فرمان
 کرتا اور بہ اختیار خود جیسا چاہتا عمل کرتا ہے، چنانچہ گنہگار اور گنہگاروں کے ساتھ پھیر گناہ

بھی برباد ہو جاتے ہیں، آخر کار کوئی دوسرا شخص بہ تائید الٰہی اختیار اور حکومت کا مالک بن جاتا ہے اور اللہ اس کو کاروبار سلطنت کی اصلاح کے لئے ضروری دانائی اور فراست سے بہرہ ور کر دیتا ہے۔

سطحی نظر سے دیکھنے والے کہیں گے کہ نظام الملک نے سلطان کی جو تعریف کی ہے وہ اس عقیدے کی دوسری شکل ہے کہ سلاطین کو خدا کی طرف سے حکومت کا حق تفویض کیا جاتا ہے، یہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ طوسی بھی سلطان کی حیثیت قریب قریب وہی قرار دیتا ہے جو اسلام سے پہلے ایران میں تسلیم کی جاتی تھی ناسانی بادشاہوں کے واقعات جن کو طوسی نے مثال میں پیش کیا ہے، اس گمان کو اور قوی کر دیتے ہیں، لیکن ناقدانہ نظر ڈالی جائے تو یہ شبہات رفع ہو جاتے ہیں، کیونکہ عہد اسلام سے پہلے ایرانی سلاطین خدائی کے مدعی تھے، اور خود کو قانون سے بالاتر سمجھتے تھے، مگر طوسی نے سلطان کے دست و پا شرعی قیود میں جکڑ دیئے ہیں، اگلے سلاطین کی مخالفت ایک ناقابل تصویر چیز اور گردن زدنی جرم تھی، مگر طوسی نے جہان عدل و انصاف سے بحث کی ہے وہاں ایسے واقعات مثال میں پیش کئے ہیں جن سے اس باب میں سلطان اور عامی کی مساوات ظاہر ہوتی ہے، مگر اس کے برعکس طوسی کا نظریہ ماوردی کے بالکل متناقض ہے، حالانکہ ماوردی کا زمانہ بھی وہ تھا جب کہ خلیفہ کے پاس دنیوی حکومت کا شائبہ بھی نہ رہا تھا، ماوردی کا قول ہے کہ خلیفہ کا انتخاب ہونا چاہئے، وہ قوم کے سامنے جو ابدہ رہیگا، اور اگر اداے فرض سے قاصر ہو تو قوم کو معزول کرنے کا حق ہوگا، اس کے برخلاف نظام الملک اس قسم کے خیالات

کا کوئی اظہار نہیں کرتا اور اپنے استدلال سے یہ ثابت کرتا ہے کہ ناقابل فرما نروا خود رعایا کے
 گناہوں کا نتیجہ ہوتے ہیں، اس کے نزدیک سلطان صرف خدا کے سامنے جوابدہ ہوگا، اسلام
 کے مسئلہ نظریہ حکومت سے طوسی کا یہ انحراف اس سبب سے واقع ہوا کہ جن حالات میں وہ گھرا
 ہوا تھا ان کی نوعیت ماوردی کی پیروی سے مانع تھی، اگر وہ اسی راہ پر چلتا تو خود اپنا
 فوت کر دیتا، اس کا اصل مدعا تو یہ تھا کہ سلطان کے اختیارات کو دوسروں کی احتیاج سے
 بے نیاز کر کے خود اپنی جگہ پر جائز قرار دیدے اور ساتھ ہی ساتھ خلافت عباسیہ کی مذہبی
 قیادت کو مسلم رکھے، اصولاً سلطان کو اختیار حکومت خلیفہ کی جانب سے سپرد کئے جاتے
 تھے، اس لئے نہ تو اس کا منصب انتخابی بنایا جاسکتا تھا اور نہ اس کو رعیت کے سامنے جواب
 قرار دیا جاسکتا تھا، یہ کہ نظام الملک خلافت کی صرف مذہبی قیادت تسلیم کرنے کیلئے
 آمادہ تھا، اس واقعے سے بہ آسانی ثابت ہو جاتا ہے کہ دنیوی اختیارات کی بحث میں وہ
 کا اقتدار نظر انداز کر دیتا ہے، اور سلطان کو براہ راست خدا کے سامنے جوابدہ ٹھہراتا ہے،
 تسلیم کرتا ہے کہ امور شرعیہ میں سلطان جو اختیارات حاصل ہیں ان کا مبداء اور مخرج خلیفہ
 کیونکہ وہ کتاب ہے کہ قاضی خلیفہ کے نائب اور اس حیثیت سے اس کے طریق کار کے
 ہیں، مگر اسی کے ساتھ سلطان ان کو مقرر کرتا ہے، اور اس حیثیت سے وہ سلطان
 فرائض انجام دیتے ہیں۔" بہ الفاظ دیگر اس کا دعویٰ یہ ہے کہ سلطان ان عمال کو مقرر
 کرنے کا اختیار خلیفہ سے حاصل کرتا ہے، اس کے علاوہ خطابات کی بحث میں وہ
 ہے کہ سلجوقیوں کو خلیفہ کی جناب سے جو خطاب دیئے گئے جائز تھے، واقعہ یہ ہے کہ یہ

کوشش ایک ایسی وسطی راہ نکالنے کے لئے ہے جس سے خلیفہ کی مذہبی سیادت تسلیم کرنے کے ساتھ سلطان کو بھی مامور من اللہ کہا جاسکے،

اس سے زیادہ حیرت انگیز یہ ہے کہ امام غزالی نے بھی اسی قسم کے خیالات ظاہر کئے ہیں، وہ فرماتے ہیں: "جاتا چاہئے کہ خدا نے نوع انسان سے دو گروہ منتخب کر لیے ہیں، اول انبیا اور مرسلین جو بندوں کو اس کی معرفت اور اطاعت کی راہ دکھاتے ہیں اور دوسرے سلاطین جو مخلوق کو باہم جنگ و جدال کرنے سے باز رکھتے ہیں، ان کے ہاتھ میں خدا نے بندوبست کی عنان دے دی ہے، اپنی حکمت کاملہ سے خلق کی فلاح و بہبود کا ان کو ذمہ دار بنا دیا ہے، اور اپنی قدرت سے ان کو بلند ترین مرتبہ پر پہنچا دیا ہے، جیسا کہ احادیث میں ارشاد ہے: لہذا جاتا چاہئے کہ جن کو اللہ نے منصب سلطانی عطا فرمایا اور ظل اللہ کا مرتبہ دیا ہے ان کی محبت ہر شخص پر فرض ہے، لازم ہے کہ ان کی اطاعت اور پیروی کی جائے ان سے مقابل یا سرکش ہونا ناجائز ہے، ہر مومن کا فرض ہے کہ بادشاہوں اور سلاطین کی محبت دل میں رکھے اور ان کے احکام بجالائے۔"

دوسری تصنیف میں امام صاحب پھر اس بحث کو چھیڑتے ہیں اور خلیفہ اور سلطان کا تعلق واضح کرنا چاہتے ہیں: "اگر کوئی بد اعمال اور ظالم سلطان اپنی فوجی قوت کے باعث بسط معزول کیا جاسکتا ہو یا اس کے معزول کرنے میں ناگوار خانہ جنگی کا اندیشہ ہو تو ضرور اس کو بجا لہ چھوڑ دینا چاہئے، اور جس طرح امیر کی اطاعت کی جاتی ہے اس کی بھی اطاعت کی جائے، کیونکہ احادیث میں اطاعت امیر اور ترک اطاعت کے متعلق صاف احادیث اور مذہبی

موجود ہیں، اب سمجھنا چاہئے کہ بنو عباس کا وہ فرد جو منصبِ خلافت کا حامل بنایا جاتا ہے، اس عہدے کو اس معاہدے کے ساتھ قبول کرتا ہے کہ حکومت کے فرائض مختلف امیر اپنے اپنے ممالک میں انجام دیتے رہیں گے لیکن وہ خلیفہ کے مطیع و حلقہ بگوش رہیں گے۔ اگر ہم یہ فتویٰ دے دیں کہ تمام حکومتیں ناجائز ہیں تو تمام رفاہی ادارے بھی ناجائز متصوٰ ہوں گے، نتیجہ یہ ہوگا کہ نفع کی ہوس میں سرمایہ بھی ہاتھ سے جاتا رہے گا، واقعہ یہ ہے کہ آج کل حکومت محض حربی قوت پر مبنی ہے، اربابِ قوت جس کسی کی اطاعت قبول کر لیں وہی خلیفہ ہے، اور ہر آزاد حکمران جب تک کہ وہ خطبہ اور سکے کے باب میں خلیفہ کا اقتدار تسلیم کرتا ہے، سلطان کہے جانے کا مستحق ہے، اور اس کے احکام اور فیصلے اس کے حلقہ ملک میں جائز تصور کئے جائیں گے،

اس دو عملی نظام کے حق میں سب سے زیادہ ہلکا تجویز وہ تھی جو عمید الملک نے طغرل کے سامنے پیش کی، اور وہ یہ تھی کہ طغرل بغداد پر قبضہ کر لے، بیرون بغداد خلیفہ سلطان کا تصادم روکا جاسکتا تھا، بغداد کے اندر اس مشکل کو مصالحت کے ساتھ حل کر لینا ممکن نہ تھا، بغداد میں خلیفہ کے ہوتے ہوئے کوئی سلطان اختیاراتِ کلی حاصل کر سکتا تھا، پھر نائب کے ذریعہ سے تو یہ امر اور بھی زیادہ ناممکن تھا، اسلام میں مذہب و نبوی اختیارات کے درمیان کوئی حد قابلِ قائم نہیں ہے، اس سبب سے ہر خلیفہ کو قوتِ عمل ہوتی موقعہ حاصل تھا کہ بغداد میں دنیوی اور مذہبی دونوں امور کی قیادت اختیار کر لے، قدرتی طور پر خلیفہ کی مداخلت سلطان سے زیادہ موثر ہوتی تھی۔

سلطان موقعہ پر موجود نہ رہتا تھا، مزید برآں جیسا کہ عہد دیالمہ میں واقع ہوا، چند اختیارات خلیفہ کی ذات سے وابستہ تھے، جن کو دوسرا شخص استعمال نہ کر سکتا تھا، کسی دور دراز مقام کے لئے یہ اختیارات کسی نائب کو سپرد کئے جاسکتے تھے، مگر خود مستقر خلافت میں ان کا کسی اور شخص کو تفویض کیا جانا ایک نمل بات تھی، مثلاً قضاۃ، خطیب، امام اور دیگر مذہبی حکام بغداد میں خود خلیفہ کے حکم سے مقرر کئے جاتے تھے، قضاۃ کی تنخواہیں خلیفہ کے خزانے سے ملتی ہوں یا سلطان کے، ان کے شرعی اختیارات خارجی مداخلت سے محفوظ تھے، ان میں بعض تو ایسے بے باک اور آزاد ہوتے تھے کہ او اے فرض میں سلطان کو بھی نہ بخشتے تھے، مدرسہ نظامیہ کے مدرس بھی خلیفہ کی اجازت کے بغیر مقرر نہ ہو سکتے تھے، یوسف دمشقی کو اسی بنا پر جمعہ کی نماز میں شریک نہ ہونے دیا گیا، اور ان کی بجائے سلطان مسعود نے جس مدرس کو مقرر کیا اس کو بھی اپنی خدمات انجام دینے کا موقعہ نہ مل سکا، حتیٰ کہ خود سلطان کو خلیفہ سے سفارش کرنی پڑی،

شہر کی اخلاقی حالت اور پاکیزگی کا بھی خلیفہ ذمہ دار تھا، ۲۶۶ھ میں سیلاب سے پہلے سربر آوردہ شہریوں نے خلیفہ قائم کے حضور میں درخواستیں پیش کی تھیں جنہیں یہ سکا کی گئی تھی کہ شراب خواری اور بد اعمالی کی کثرت ہے نیز خلیفہ سے استدعا تھی کہ معصیت خانوں کا استیصال کر دے، خلیفہ مقتدی نے مخلوق کے اخلاق درست کرنے کے لئے کئی قوانین نافذ کئے، کسبیاں اور گانے والیاں شہر بدر کر دی گئیں اور ان کے مکانات فروخت کر دیئے گئے، حمام میں برہنہ بدن داخل ہونا ممنوع قرار پا گیا، اور بانس کی چھتریاں

یامینارے جو کہنے کو پرندوں کے لئے بنائے گئے تھے توڑ ڈالنے کا حکم دیا گیا، کیونکہ ان سے لوگوں کے زمان خانوں میں تاک جھانک کرنے کا ناجائز مقصد پورا کیا جاتا تھا، آخر میں ایک فرمان یہ بھی نافذ ہوا کہ ملاح اور کشتیمان اپنی کشتیوں میں مردوں اور عورتوں کو ساتھ سوار نہ کرتے۔ مذہبی نزاعات میں جو کبھی اہل تشیع اور اہل سنت کے مابین اور کبھی اثنا عشریوں اور ^{حنبلین} کے درمیان ہوتے رہتے تھے، خلیفہ کی امداد طلب کی جاتی اور اس کا حکم ناطق سمجھا جاتا تھا۔ تمام مذہبی معاملات میں خلیفہ کی رائے بالاتر حیثیت رکھتی تھی، جس کی تردید آسانی سے ہو سکتی تھی،

سکون کے مطالعے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ بغداد میں خلیفہ اپنے سیاسی اختیارات سے دست بردار نہ ہوا تھا، ان سکہ جات پر جو مستقر خلافت میں مسکوک ہوتے تھے طغرل کے بعد کسی سلجوقی سلطان کو اپنے نام کے ساتھ "سلطان" کا لقب شامل کرنے کی اجازت نہ دی گئی، یہ امر کہ خلیفہ اب بھی اہل بغداد پر محاصل قائم کر سکتا تھا، دعویٰ مذکور کی مزید تائید کرتا ہے، برخلاف اس کے سلطان بغداد کے محاصل کا ٹھیکہ لے لیتے تھے اور انتظام شہر کے ذمہ دار ہوتے تھے، اس مقصد کے لئے ان کی طرف سے بغداد میں ایک شخمہ مقرر ہوتا تھا جس کا فرض تھا کہ شہر میں امن و امان قائم رکھے، شخمہ کا منصب خطرناک ہوتا تھا، سلطان کا نائب ہونے کی حیثیت سے وہ پابند تھا کہ اپنے فرائض سلطان کے حکم انجام دے، دوسری طرف اس کو سلطان سے بھی بالاتر حاکم یعنی خلیفہ سے سابقہ تھا، جو کم سے کم بغداد کے حدود میں ابھی تک خود کو مختار کل تصور کرتا تھا، شخمہ اگر غفلت یا بے

کا مرکب ہوتا تو لوگ سلطان کی بجائے خلیفہ سے فریاد کرتے تھے جو بغداد میں موجود تھا، اور جس تک رسائی آسان تھی، چنانچہ بغداد میں دو عملی قائم ہو گئی تھی، اور ایک نہ ایک روز ان دو خداوندوں کے باہم تصادم ناگزیر تھا،

تاہم نظام الملک کے عہد میں ان دو آقاؤں کے درمیان کوئی کشمکش پیدا نہ ہوئی، جس کا ایک سبب تو یہ تھا کہ سلاطین غیر مسلموں کے ساتھ جنگ کرنے میں مصروف تھے اور دوسرا سبب یہ ہوا کہ خود نظام الملک دنیا سے اسلام کو خلیفہ کے زیر قیادت متحد دیکھنا چاہتا تھا، چنانچہ اس کا عقائد بند و بست اور دانشمندانہ مشورے خلیفہ اور سلطان کو دست و گریبان نہ ہونے دیتے تھے، اس عہد میں اگر خلیفہ نے بغداد کے سیاسیات میں دخل دینے کی کبھی کوشش کی تو نظام الملک نے اس کا مصالحانہ طرز عمل سے جواب دیا، دوسری طرف خلیفہ بھی اسی قسم کے رویہ کا اظہار کرتا تھا، اور معمولی بات پر جھگڑا پیدا کرنا پسند نہ کرتا تھا، حتیٰ کہ بغداد کا شہنشاہ نائب سلطان کی حیثیت سے نوبت و تقارہ جو شاہی خصوصیات میں داخل استعمال کرنے لگا، اور خلیفہ نے تعرض نہ کیا، مگر ان دو قوتوں کے درمیان اتفاق قائم نہ کھنے کے لئے سیاسی دوراندیشی کی بہت ضرورت تھی، چنانچہ اتنے عرصے تک نزاع نہ پیدا ہونا نظام الملک کی قابلیت کا ثبوت ہے، وہ اختلاف جو خلیفہ اور ملک شاہ کے درمیان رونما ہوا کسی سیاسی واقعے کا نتیجہ نہ تھا، بلکہ اس کا اصل سبب ملک شاہ کی دختر اور خلیفہ مقتدی کی نامعلوم شادی تھی،

نظام الملک کا انتقال اور کچھ ہی عرصے کے بعد ۱۰۸۵ھ میں ملک شاہ کی رحلت

ایک طویل جنگ کا پیش خیمہ تھی جو تخت تاج کے لئے مرحوم سلطان کے بیٹوں میں جاری رہی، اس جنگ کے دوران میں خلیفہ کو اپنی خود مختاری کے اظہار کا غیر متوقع موقعہ ہاتھ آیا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ نظام الملک کے عہد میں خلیفہ کی سیاسی قوت اتنی ضعیف ہو چکی تھی کہ وہ اس طویل خود زیزی سے فائدہ نہ اٹھا سکا، خلیفہ کی قوت کا اندازہ صرف اس امر سے ہو جاتا ہے کہ اس کو اپنے اختیارات حکومت نابالغ امیرون کو تفویض کرنا پڑے، اس وقت اسلامی سیاسیات میں عجیب مضحکہ خیز صورت حال پیدا ہو گئی تھی، نابالغ شخص کو خلیفہ بنا دینا تو ناجائز تھا، حالانکہ یہ وہ زمانہ تھا کہ مملکت اسلامیہ کی اصل فرمانروائی سے خلیفہ کو تعلق نہ رہتا تھا لیکن سلطان کا منصب جو خلیفہ کی جانب سے انصرام مہماتِ ملکی کا ذمہ دار تصور کیا جاتا تھا شیر خوار بچوں کو مل سکتا تھا، واقعہ یہ ہے کہ محمود کے ناوقت اور ناگہانی انتقال کے بعد اس کے جانشین محمد اور برکیارق دونوں بہت کم سن نہ سہی مگر نابالغ تھے، مگر ان کو تخت و تاج سے محروم کرنے کا کوئی طریقہ ممکن نہ تھا، کیونکہ ان کا حق زور شمشیر پر مبنی تھا، خانگی زور ان کا مین جو کامیاب ہو جاتا اسی کا نام بغداد کے سکون اور خطبوں میں شامل کر لیا جاتا، اور اسی کے ساتھ خلیفہ کی اجازت بھی مل جاتی جو بالکل رسمی اور نمائشی چیز تھی، نتیجہ جنگ معلوم ہوتا ہی لوگ خود ہی فاتح سلطان کے لئے دعائیں مانگنا شروع کر دیتے، اور اگر فیصلہ مشتبہ ہوتا تو خطبے میں صرف نعت سلطان پڑھا جاتا اور کسی خاص نام کا ذکر نہ ہوتا، خلیفہ اپنی بے بسی محسوس کرتا تھا، چنانچہ وہ خاموشی کے ساتھ دونوں بھائیوں کے باہم فیصلہ جنگ کا انتظام کرتا رہا، فریقین کبھی جنگ چھیڑ دیتے تھے کبھی شرائط صلح طے ہوتی تھیں، ممالک تقسیم کر

تھے خطبے میں نام شامل ہونے کے حق پر سمجھوتے ہوتے تھے اور بعدہ خلیفہ کو مطلع کر دیا ^{تھا}
 ذاتی اختلافات اور بخشوں کے باوجود سلطان اور خلیفہ باہم نباہ کئے جاتے تھے خلیفہ تو مجبور تھا اور ^{بکھرا}
 اس کے اسکو دو سر چارہ کا رہی نہ تھا سلطان مذہبی جذبات سے متاثر رہتا تھا، اور خلیفہ کو الجھنا بے سود سمجھتا
 تھا، اگر وہ خلیفہ کا احترام نہ کرتا یا خلق کو ستاتا تو عوام الناس کی ہمدردی سے محروم ہو جانے کا خطرہ تھا،
 اس وقت تاج و تخت کیلئے جو مسلسل جنگ جاری تھی اسکی بدولت بغداد کی حکومت میں استقبال
 استحکام مفقود ہو گیا تھا، چنانچہ شہنہ بغداد امن و امان قائم رکھنے کی بجائے خود سری اور ظلم سے کام لینے لگا،
 نے محسوس کیا کہ ان بے عنوانیوں کا انسداد اسکا فرض تھا، مگر خبر اسکے کہ ظلم کرنے والوں کی خدمت میں ^{خبر} ^{دین}
 کو بھیجا بر مظلوموں کی دکالت کرائے، مدخلت کا اور کوئی طریقہ خلیفہ کے بس میں نہ تھا، چنانچہ ^{عراق} کے آ ^{یک}
 عربی شیعہ سردار سیف الدولہ صدوقہ سے مدخلت کی درخواست کی گئی جو ایک مملکت غلطی ثابت ہوئی، سیف ^{الدولہ}
 نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر مخلوق کو ٹوٹنا شروع کر دیا، اور بعض مرتبہ شہرین قتل و غارت کا سلسلہ بند کرنا
 کیلئے خلیفہ کو اس شیعہ امیر کے مجوزہ شرائط قبول کرنے پڑے، بغداد کے ارباب حکومت میں یہ تغیر و تبدل ^{شہنہ}
 کی طاقت غیر مستحکم کر دینے کا باعث ہوا، سلطان کی مسند جب ایک شخص سے دوسرے کو منتقل ہوتی تو بغداد
 کا شہنہ بھی تبدیل کیا جاتا، چنانچہ کبھی کبھی رقیب امیدواروں میں باہم جنگ پیکار شروع ہو جاتی، اس صورت حال
 نے اہل شہر کا حال اور بھی خراب کر دیا تھا، کیونکہ ایسی جنگ و جدال میں ہمیشہ اہل شہر پر مصیبت آتی تھی، ^{درا}
 میں کبھی کبھی خلیفہ سے امداد طلب کی جاتی تھی اور خلیفہ اسی کی اعانت کرتا تھا، جو بغداد میں موجود ہوتا تھا،
 بہر کیف خلیفہ کو اپنی بے بسی کا احساس تھا اور بہ حیثیت مجموعی اسکا معمول یہ تھا کہ واقعات کو اپنے حال
 پر چھوڑ دیا جائے، وہ بغداد ہی کے معاملات پر قانع رہتا تھا، اور اسی میں خوش تھا کہ بغیر کسی ذمہ داری کے

ذاتی آمدنی سے متمتع ہوتا رہا اور اپنے خانگی معاملات سے ہی دلچسپی رکھے جس وقت صلیبی مجاہد مسلم ممالک میں میدان
پر میدان جیت رہے تھے، نہ خلیفہ نے جنبش کی نہ سلطان نے بار بار خلیفہ کی خدمت میں استدعا کیجی تھی مگر
مسلم قوم کا پیشوا ہونے کی حیثیت سے نہ وہ خود امداد کرتا تھا، اور نہ سلطان سے اصرار کرتا تھا کہ فریضہ جہاد ادا
یا کم سے کم مسلمانوں کے جان و مال کی حفاظت کر کے اپنی ذمہ داری سے عمدہ برآ ہو صرف ۵۰۴ھ میں
جبکہ دار الخلافہ کے کثیر التعداد علماء جو اقتدار اسلامی قائم رکھنے کیلئے بچپن تھے، ایک فہرہ لیکر حاضر ہوئے تو خلیفہ ام
سلطان نے مجبوراً ہو کر ان کی درخواست پر التفات فرمایا،

۵۱۵ھ میں محمود کو سب کے ہاتھوں شکست نصیب ہونے کے بعد جب سب کو بغداد میں فرمانبردار
کیا گیا تو ارتقاے سلطنت کی تاریخ میں ایک جدید اقدام ہوا، اس کے بعد سب کو باضابطہ سلطان تسلیم کر لیا گیا،
صرف بغداد ہی میں نہیں بلکہ ایران کے تمام ان ممالک میں جہاں سب جوئی اقتدار قائم تھا خطبہ اور سکہ میں اس کو
نام آنے لگا، تاریخ خلافت میں یہ پہلا موقع تھا کہ کسی فرمانروا کو بغداد پر متصرف ہوئے بغیر یہ عزت بخشی گئی
اس واقعہ نے ایک اہم مثال قائم کر دی، بعد کو طاقتور حکمران اس مثال کو سند پکڑتے تھے اور بغداد کے خطبہ
میں نام شامل ہونے کا مطالبہ کرتے تھے حالات کو اس واقعہ نے اور بھی پیچیدہ بنا دیا کہ وہ فرمانروا
جو بغداد پر متصرف ہوتے تھے خود کو سلطان کہتے تھے، جیسا کہ ان کے سکے شہادت دیتے ہیں، چنانچہ
ضروری ہو گیا کہ بغداد کے واقعی حاکم ہونے کی حیثیت سے خطبہ اور سکے میں ان کے نام داخل کئے
سلاطین کی ان دو اقسام میں فرق یہ تھا کہ سب کا نام تو عراقی سلاطین کی قلمرو کے خطبہ اور سکے میں داخل
لیکن سب کے ملک میں عراقی سلاطین کو یہ حقوق حاصل نہ تھے،

جس وقت سب اور اسکے بھتیجے محمود کے درمیان صلح ہوئی، سب نے محمود کو اپنا جانشین نام

تمام مالکِ اسلامیہ میں اسکا نام داخلِ خطبہ کرنے کا حکم دیدیا، اور بعدہ اس امر کی ایک اطلاع خلیفہ کو بھی روانہ کر دی، خلیفہ کے خصوصی حقوق پر سلاطین جو دست درازی کرتے تھے یہ اسکی انتہا تھی، اب سلطان سنجر کے اختیار میں تھا کہ عراق کی حکومت جس کو چاہے عنایت کرے، لیکن عراق کیساتھ بغداد بھی وابستہ تھا، اسلئے فرمانرواے بغداد کو خلیفہ کی اطاعت کا حلف لینا اور اس سے سند حکومت حاصل کرنا ضروری تھا، حالانکہ پیچیدہ ہو گئے تھے اور محمود کے بعد مدعیان حکومت میں جو سلسلہ محاربات چھڑا اس نے اور بھی پیچیدہ کیا بڑھادیں اور دونوں محارب رقیب سلطان سنجر سے جو عراق کا حاکم واقعی تھا اور خلیفہ سے جو سلطنت کا مالک مجاز تھا، امداد کے مستعدی رہتے تھے،

۱۱۱۶ھ میں سلطان محمد کی وفات پر سلجوقی خاندان کا اتحاد ختم ہو گیا، اسکے بیٹے محمود کی تخت نشینی میں پہلے تو اسکا چچا سنجر اور پھر اسکا بھائی مسعود جو موصل کا حاکم تھا، مزاحم ہوئے، چنانچہ بغداد پر محمود کا نصر کبھی رہا کبھی نہ رہا، اس خاندانی جنگ کا سبب مشہور صدقہ کے بیٹے دیس کی سازشیں تھیں، خلفاء کو اب سیاسی اقتدار قائم کرنے کا موقعہ ملا اور وہ سلجوقی سلاطین سے زور آزمائی کے لئے تیار ہو گئے،

دیس کی کوشش سے خلیفہ مسترشد (۵۱۲ھ ۵۲۹ھ) کو وہ قوت منظم کرنے کا موقعہ ملا جو بعد سلجوقی سلاطین کے مقابلہ میں خود مسترشد اور اس کے جانشینوں کے کام آئی، دیس محض لیرا تھا اور اس کا طرز عمل کسی ہول کا پابند نہ رہتا تھا، وہ نہ سلطان کی سنتا تھا نہ خلیفہ کی، لیکن اسکی مصلحتیں مقضی ہوتیں تو دونوں سے معافی مانگ لیتا تھا، بغداد اور اس پاس کے اضلاع میں اسکی غارتگری مسلسل جاری رہی اس وقت نے خلیفہ کو محافظ کا فرض ادا کرنے پر مجبور کر دیا، مشترکہ دشمن کا مقابلہ کرنے کیلئے خلیفہ اور سلطان کو متحد ہونا پڑا اور دونوں کے خلاف سلطان محمودی خلیفہ کو ہر ممکن مدد ملی، مگر جب ۵۱۶ھ میں سلطان اور دیس میں صلح ہو گئی اور

اول الذکر نے اپنے بھائی منصور کو نیک چلنی کی ضمانت میں سلطان کے حوالہ کر دیا تو خلیفہ نے
 اس مصالحت کو منظور نہ کیا اور سلطان محمود کو لکھا کہ دبیس سے کسی حال میں صلح مناسب نہیں
 کیونکہ وہ اپنے بھائی کا انتقام لینے کیلئے بغداد پر دست درازی کرنے کا قصد کر رہا تھا خلیفہ نے یہی
 تحریر کیا کہ آقسنقر سبکی کو موصل سے واپس بلا کر بغداد اور عراق کا تختہ مقرر کر دیا جائے، خلیفہ اور سبکی
 کی سپاہ مل کر ایک عرصہ تک دبیس سے لڑتی بھرتی رہی، آخر ۱۱۲۳ھ میں ایک کثیر لشکر مہیا
 خلیفہ نے اس کو شکست دی، اور بغداد کو مظفر و منصور واپس آیا، عوام پر اس فتح کا اخلاقی اثر
 گہرا پڑا اور خلیفہ کا کھویا ہوا اقتدار پھر قائم ہو گیا، دبیس سے فارغ ہونے کے بعد تختہ کی باری آئی
 آقسنقر سے خلیفہ ناراض ہو گیا تھا، چنانچہ اس کو بغداد سے منتقل کر دیا، ایک اور شخص یرنقش نامی
 بغداد کا تختہ مقرر ہوا، مگر اب خلیفہ مسترشد کی بڑھتی ہوئی قوت کب اجازت دیتی تھی کہ
 بغداد میں کسی تختہ کی موجودگی گوارا کر سکے، مسترشد قابل اور کار گزار آدمی تھا، سلطان اور دیگر
 اس کی عزت کرتے تھے، یہ پہلا خلیفہ تھا جس نے خاندان کے قانونی حقوق کو عملی اختیار
 تبدیل کرنے کی کوشش کی، ۱۱۲۶ھ میں خطبہ جمعہ کے بعد سلطان محمود سے جنگ شروع کر
 سے پہلے اس نے ایک تقریر کی تھی جس سے اس کے خیالات کا اندازہ ہو سکتا ہے اس
 کہا ہم نے اپنے معاملات آل سلجوق کو سونپ دیئے تھے، مگر انھوں نے ہم سے بغاوت
 زمانہ نے انھیں ہمت دی اور ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے اکثر گنہگار
 حکم پسند خلیفہ کے زمانہ میں بغداد پر دو عملی حکومت رہنا خارج از بحث تھا، مواد وجودت
 پک رہا تھا، آخر ۱۱۲۶ھ میں پھوٹ پڑا، اور اس نزاع کے سلسلہ میں جو خلیفہ کے

ششم بغداد کے درمیان واقع ہوا، علانیہ جنگ چھڑ گئی، ششم خلیفہ کی دھکی سے ڈر کر بغداد چھوڑ گیا
 اور سلطان کے پاس پہنچ کر شکایت کے ساتھ یہ تنبیہ بھی گوش گزار کر دی کہ خلیفہ کی طاقت
 بڑھ رہی ہے اور اگر فوراً مناسب تدارک نہ کیا گیا تو مستقر خلافت سلجوقیوں کے ہاتھ سے
 نکل جائے گا، اس نصیحت کو سن کر سلطان نے سپاہ فراہم کی اور عراق کی طرف روانہ ہو گیا،
 خلیفہ نے احتجاج کیا اور یہ کہہ کر واپس جانے کی درخواست کی کہ ملک اور اہالیان ملک دس
 کی غارتگری سے مفلس ہو رہے تھے، اور سلطان کے لشکر کی ضروریات پوری کرنے
 قابل نہ تھے، اس نے وعدہ کیا کہ اگر بغداد کی آمد اتنے عرصہ تک کیلئے مسمومی کر دیگی کہ شہر
 فاسخ ابال ہو جائے تو آئندہ سلطان کی آمد میں کسی قسم کی مزاحمت نہ کی جائے گی،
 اس عنایت کے معاوضہ میں خلیفہ نے سلطان کو ایک رقم پیش کرنے کا بھی وعدہ کیا جس
 سلطان کے شکوک اتنے قوی کر دیئے کہ وہ بغداد پہنچنے پر اصرار کرنے لگا، اسکے بعد لڑائی چھڑ
 سلطان کے سپاہیوں نے خلیفہ کا محل لوٹا اور اس کا تاج چھین کر لے گئے، اس واقعہ نے
 لوگوں میں ایسا جوش پیدا کر دیا کہ انھوں نے دل کھول کر خلیفہ کا ساتھ دیا، اور خلیفہ نے تقریباً
 تیس ہزار کا لشکر عظیم فراہم کر لیا، لیکن ایک کر دی سردار لوٹ کر سلطان سے جا ملا اور واسط
 کے حاکم زنگی نے بیچ میں پڑ کر واقعات کا رخ بدل دیا، خلیفہ نے آثار مخالف دیکھے تو صلح
 کا پیام دیا، سلطان نے منظور کر لیا اور چند تحائف اور کچھ زر نقد پر اکتفا کر کے ۵۲۱ھ میں کچھ
 عرصہ تک بیمار رہنے کے بعد بغداد سے واپس چلا گیا،

۵۲۵ھ میں سلطان محمود فوت ہو گیا، اس کا بیٹا داؤد، جبال اور آذربجان میں
 ۶۱۱۳۱

سلطان تسلیم کر لیا گیا، مگر اس کے چچ مسعود نے علمِ بغاوت بلند کر دیا، خلیفہ مسترشد نے
 خانہ جنگی سے فائدہ اٹھایا، دونوں نے خلیفہ سے درخواست کی کہ خطبہ میں نام شامل
 جائے، لیکن جیسا کہ ابن اثیر کا بیان ہے کہ خلیفہ نے انکار کر دیا اور یہ جواب دیا
 میں نام شامل کرنے کا فیصلہ سلطان سخر پر منحصر ہے، وہ جس کو پسند کرے گا، اسی
 کا خطبہ پڑھا جائے گا۔ اسی کے ساتھ اس نے سلطان سخر کو خط لکھ دیا کہ کسی کے
 سفارش نہ کرے، اس کے بعد بد نظمی کا ایک دور شروع ہوا، سلجوقی خاندان
 مختلف شاہزادوں سے عراق پر تسلط حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگے، خلیفہ مسترشد
 ایک مدعی کو دوسرے سے لڑاتا رہا، وہ شکست خوردہ فریق کی خاطر کرتا تھا
 سپاہ اور نقد سے امداد پہنچاتا تھا، اس طرزِ عمل نے سلطان سخر کے ساتھ جنگ
 کرادی، اور تعلقات یہاں تک بگڑ گئے کہ ^{۵۲۶ھ} ^{۱۱۳۱ء} میں سلطان نے خطبہ
 کا نام خارج کر دیا، آخر سخر نے حلد دیس کو دیدیا، اور اس کو بغداد پر چڑھائی کر کے
 دی، عماد الدین زنگی اور دیس نے متحدہ طور پر بغداد کی طرف پیش قدمی شروع
 جس کا یہ اثر ہوا کہ خلیفہ جو اس وقت ملک سلجوق شاہ اور مسعود کی معیت
 کے خلاف ایک فوج کی کمان کر رہا تھا، واپسی پر مجبور ہو گیا، سلجوق شاہ اور
 سپاہ کو سخر نے شکست دی اور طغرل کو پھر عراق پر مسلط کر دیا، ادھر خلیفہ نے
 کے لشکر پر اگندہ کر کے مفرور امید واروں یعنی ملک داؤد اور مسعود کو پھر
 سے امداد پہنچانا شروع کر دی، ان کے نام خطبے میں شامل کر دیئے اور دو مرتبہ

کے خلاف جنگ کرنے کے لئے روانہ کیا، مگر سلطان کے آدمی کی بجائے اپنا امیدوار عراق
 پر مسلط کرنے میں خلیفہ کامیاب نہ ہو سکا، آخر ^{۵۲۹ھ} _{۱۱۳۴ء} میں طغرل کا انتقال ہو گیا، اور اب
 سلطان مسعود کو اس کی جانشینی کا موقع مل گیا، مگر مسعود مندر حکومت پر پہنچا ہی تھا کہ خلیفہ مسٹر
 کو عراق کے اس جدید حاکم سے فیصلہ کن جنگ چھیڑنا پڑی، کیونکہ مسٹر شد سجویقی اقتدار سے نجات
 پانے کا عزم کر چکا تھا، اس جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلیفہ کو شکست ہوئی، گرفتار کیا گیا، اور جان
 سے ہاتھ دھونا پڑے، صورت یہ پیش آئی کہ جب مسعود نے ہمدان پر قبضہ کر لیا تو اس کے
 چند سرداروں نے بغاوت شروع کر دی، خلیفہ نے حسب معمول باغیوں کی ہمت افزائی
 پر ہی قناعت نہ کی، بلکہ بغداد میں سلطان مسعود کا نام خطبہ سے خارج کر کے صورت حال او
 زیادہ خراب کر دی، ^{۵۲۹ھ} _{۱۱۳۴ء} میں جنگ چھیڑ گئی، بصرہ کے حاکم نے خلیفہ کو مدد دینے سے
 انکار کر دیا اور چند اور سردار مسعود سے جا ملے، نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی سپاہ کو شکست ہوئی اور خود
 خلیفہ معہ باقی ماندہ سرداروں کے اسیر کر لیا گیا، سلطان نے ماہندی کو
 بغداد کا شہنہ مقرر کیا اور اس نے خلیفہ کی ذاتی املاک ضبط کر لی اور مجلس رے کو تاراج کر ڈالا،
 اس پر اہالیان بغداد سخت رنجیدہ ہوئے اور ان کا غم و غصہ اس صورت میں ظاہر ہوا کہ مسجد
 کا منبر توڑ کر خطیب کو خطبہ پڑھنے سے باز رکھا اور شہنہ کے خلاف جنگ شروع کر دی، اسی
 اشار میں ملک شاہ کی بغاوت کی اطلاع پہنچی اور سلطان اسیر خلیفہ کو حراست میں لئے
 ہوئے ادھر روانہ ہوا، خلیفہ اور مسعود کے باہم ان شرائط پر مصالحت ہو گئی، کہ خلیفہ کچھ
 نقد سلطان کو پیش کرے سلج سپاہ کبھی جمع نہ کرے، اور محل سے کبھی باہر نہ نکلے، ان شرائط

سے ظاہر ہے کہ خلیفہ کو حکومت میں کوئی حصہ نہ دینے پر سلطان ٹلا ہوا تھا، مگر خلیفہ بغداد واپس
 جانے کی تیاری ہی کر رہا تھا کہ باطنیہ فرقہ کے چند لوگوں نے خیمہ کے اندر اس کو قتل کر دیا
 قدرتی طور پر اہل بغداد کو یہ شکوک پیدا ہوئے کہ یہ قتل سلطان کے ایمار سے عمل میں آیا تھا
 مسترشد کی یہ کوشش کہ سلاطین کی قید سے خود کو رہا کر لے، رسوائی اور ناکامی سے دوچار
 ہوئی، مگر باوجود اس کے اس نے آزادی کا جذبہ ظاہر کر کے اپنے جانشینوں میں ایسی روح
 پھونکی کہ ایک کوشش اور عمل میں آنے کے بعد جب کہ سلجوقی سردار اپنی سلطنت کے بیرون پر مصروف پیکار تھے
 اپنی مقصد میں کامیاب ہو گئے، مسترشد کا بیٹا رشید مسند خلافت پر بیٹھا تو جنگ کا از سر نو آغاز ہوا، رشید نے معاہدہ
 پابندی و اخراج کیا اور مطلوبہ رقم دینے سے انکار کر دیا، محض ایک شبہ پر اس نے شہنہ کو بغداد سے نکال
 دیا، اور سلطان مسعود کا نام خطبے سے خارج کر دیا، خلیفہ اور سلطان کے باہم جنگ چھیڑ دینے
 کے لئے اتنا کافی تھا، خلیفہ نے اپنی سپاہ مجتمع کی اور ملک داؤد بن سلطان محمود سے اتحاد
 کر لیا، جو ۵۳۰ھ میں آذربایجان سے اپنی ساری فوج لے کر بغداد پہنچ گیا، اور اسی کے نام کا
 خطبہ پڑھا جانے لگا، متحدہ قوت کے زعم میں اور شیروں کی صلاح سے خلیفہ نے مسعود کے
 پیام صلح کو ٹھکرا دیا، حالانکہ سلطان اطاعت اور فرمانبری کا وعدہ کر رہا تھا، اب مسعود بغداد
 کی طرف بڑھا، اور پچاس روز تک شہر کا محاصرہ کئے رہا، محاصرہ اٹھانے ہی والا تھا کہ حاکم
 واسط کے بھیجے ہوئے کچھ جانور پہنچ گئے اور ان کی مدد سے دجلہ عبور کر لیا گیا، خلیفہ اور اس
 حلیف فرار ہو کر موصل میں پناہ گزین ہو گئے اور ۵۳۴ھ میں سلطان فاتحانہ مسرت کے
 ساتھ بغداد میں داخل ہو گیا، اس نے پہلا کام یہ کیا کہ قضاة، فقہاء، دیگر عمائدین حکومت اور سر

اہل شہر کو جمع کر کے خلیفہ کی وہ تحریر پیش کی جس میں اس نے اعلان کیا تھا کہ اگر کبھی سلطان مسعود سے برسرِ پکار ہو تو معزول سمجھا جائے، اس طرح سلطان نے قاضیوں اور فقہوں سے فتویٰ حاصل کر لیا جس میں رشید کو معزول قرار دیا گیا، سلطان نے یہ فتویٰ مسترد کر دیا اور حکم دے دیا کہ اس کا نام خطبے سے خارج کر دیا جائے، آخر میں خلیفہ معزول کے وزیر سے مشورہ کرنے کے بعد یہ اتفاق یہ طے کیا کہ مقتفی کو (۵۳۳ھ تا ۵۵۵ھ) "امیر المؤمنین" کی سند پر متکون کیا جائے، یہی مقتفی تھا، جس نے بعدہ سلجوقی اقتدار کو شدید صدمہ پہنچایا، ابن اثیر کہتا ہے کہ ایک جائداد کے متعلق جو خلیفہ کی خاندانی ملکیت تھی، سلطان کا قاصد نے خلیفہ کے پاس پہنچا تو اس نے جواب دیا کہ "دجلہ سے پانی لانے کے لئے اتنی خچر استعمال ہوتے ہیں، سلطان کو خیال رکھنا چاہئے کہ جو لوگ یہ پانی پیتے ہیں ان کی ضروریات پوری ہوتی چاہئیں" اس غیر متوقع جواب سے سلطان نے محسوس کیا کہ منصبِ خلافت کے لئے جس شخص کو منتخب کیا گیا تھا وہ ضرورت سے زیادہ آزاد رائے تھا،

مقتفی اگرچہ سلطان کا ساختہ پروا تھے، مگر اس نے تمام سابق خلفاء سے زیادہ خود مختاری کا رویہ اختیار کیا،

سلطان جس وقت بغداد میں مقیم تھا، مقتفی نے اس کے قتل کے لئے سازش کی، مگر بارش کی کثرت نے سلطان کو اس روز نماز کے لئے محل سے نکلنے نہ دیا، اور سازش کامیاب نہ ہوئی، خلیفہ کی خوش قسمتی سے ۵۴۷ھ میں سلطان مسعود کا انتقال ہو گیا، اس کی موت کے بعد بغداد اور نواحِ بغداد سے سلجوقیوں کا اثر ہمیشہ کے لئے اٹھ گیا بغداد

کاشمیر یعنی رند مشرب مسعود ابلالی فرار ہو گیا اور جو سچوتی سردار شہرین مقیم تھے مقتضی نے ان کے مسکن لوٹنا شروع کر دیئے، خلیفہ نے مسند پر بیٹھے وقت جو قسم کھائی تھی اس کے مطابق تمام ترکی اور ایرانی سردار جن کا سچو قیون سے تعلق تھا شہر بدر کر دیئے گئے اور ان کی بجائے یونانی اور آرمینی مملوک مقرر ہوئے، سلطان کے وزیر جس علاقہ پر قابض تھے وہ اب وزیر خلافت کو منتقل کر دیا گیا، اسی سال خلیفہ نے حلد، نابلس، تکریت اور کوفہ تک عراق قبضہ کر لیا، ملک شاہ نے کچھ فوج بھیجی مگر بغداد کے لشکر نے اس کو پسپا کر دیا اور آخر ان کو رو متقاہ پر خلیفہ کی براہ راست حکومت قائم ہو گئی،

بغداد اور اردگرد کے صوبوں پر حکومت حاصل ہونے کے بعد سلطان کا نام بغداد کے خطبوں میں داخل رکھنا خلیفہ کو باعث تنگ اور محکومی کی دلیل معلوم ہوا، چونکہ بغداد میں ان کے حق میں محض اس لئے دعا کی جاتی تھی کہ وہ حاکم واقعی تھے، لہذا جب وہ حکومت ختم ہو گئی تو ان کا نام خطبہ میں شامل نہ رہ سکتا تھا، مگر سلطان اس استدلال کو بغیر ایک جنگ کے قبول کرنے والا تھا، تاریخی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ اب بھی سلطان کا نام خطبہ میں شامل کرنے کے لئے تیار تھا، جب تک سنجری اختیار حاکم رہا اس کا خطبہ میں پڑھا جاتا تھا، اور بغداد کے سکون پر مضروب ہوتا تھا، ۵۵۱ھ میں جب سنجریوں سے شکست کھا کر بغداد آیا اور سلیمان شاہ بن محمد کو اپنا ولیعهد نامزد کیا تو خلیفہ سلیمان شاہ کو بھی اس عزت سے سرفراز کیا، مگر اس کے برعکس جب محمد نے جو عراق حاکم ہو گیا تھا، اپنا نام خطبہ میں پڑھے جانے کی درخواست کی تو خلیفہ نے انکار کر دیا،

کو یہ بہانہ مل گیا اور بغداد کا محاصرہ شروع کر دیا، مگر ہوشیار خلیفہ حملہ کے لئے بالکل تیار تھا، سلطان
 نے بے ضرورت محاصرہ کو طول دیا، حالانکہ متواتر اس کے پاس جہازوں کی کمک پہنچ
 رہی تھی، کسی مصلحت سے وہ براہِ خلیفہ کو پیام بھیجتا رہا کہ میرے حقوق اگر تسلیم کر لئے جائیں تو
 میں اب بھی اطاعت سے باہر نہیں ہوں، یہ نتیجہ فیصل ہونا مشکل ہے کہ اس کا سبب کیا
 تھا، یا تو سلطان کا مقصد ہی یہ تھا کہ خطبہ میں نام داخل ہونے کا حق تسلیم کر لیا جائے، یا یہ ہوگا
 کہ محاصرہ کرنے والی سپاہ میں بعض کو خلیفہ اور دار الخلافہ کے خلاف تلوار اٹھانے میں تامل
 معلوم ہوتا تھا، اسی دوران میں خلیفہ کا وزیر سلطان کے افسروں کو خفیہ طور پر نقد نذرانے
 پہنچا رہا تھا، اور ان کے ساتھ یہ تمہید ہوتی تھی کہ خلیفہ سے بغاوت کرنا یا بغداد پر حملہ آور ہونا
 احکامِ دین سے خلاف ورزی کرنا ہے، کسی حد تک وزیر کی تبلیغ کامیاب ہوئی، لیکن اصل
 امداد کسی اور طرف سے ملی، جب تک سلطان حملے کے لئے پوری طرح تیار ہوا، خلیفہ اور
 وزیر کی مدد پرانہ ریشہ دو انیان یون رنگ لے آئے کہ ملک شاہ اور سلجوقی تخت کے دو
 مدعی سلطان محمد کے خلاف لشکر کشی کرنے اور اس کے حربی مرکز ہمدان پر حملہ آور ہونے کے
 لئے آمادہ ہو گئے، اب اندیشہ تھا کہ گھر ہی میں فتنہ نہ پیدا ہو جائے، چنانچہ محاصرہ ختم کر دیا گیا
 اور بغداد چل گیا، اس کے بعد کسی سلجوقی فرمانروا نے بزورِ شمشیر دار الخلافہ پر اپنا حق جتانے کی
 کوشش نہ کی،

سلطان محمد بن محمود بن ملک شاہ ^{۵۵۴}/_{۱۱۵۹}ء میں فوت ہو گیا، اس کے بعد سلیمان شاہ

ابن محمد سلطان ہو گیا، چونکہ سلیمان کو پہلے ہی خلیفہ نے سنجر کا جانشین تسلیم کر کے اس کا نام خطبہ میں

داخل کر دیا تھا اس لئے کوئی نزاع نہ پیدا ہوا، لیکن ملک شاہ نے اصفہان میں کچھ جمعیت فراہم کرنی اور خلیفہ سے اپنا نام داخل خطبہ کرنے کا مطالبہ کیا، اسی کے ساتھ یہ دھمکی دی کہ خلیفہ اگر انکار کرے گا تو بغداد پر حملہ کر دیا جائے گا، ۱۱۶۶ھ تا ۱۱۶۷ھ میں خلیفہ کے وزیر نے ملک شاہ کی

خدمت میں ایک کثیر اس مقصد سے روانہ کی کہ زہر دے کر اس کا کام تمام کرے، سلیمان شاہ کو جو عیش و عشرت میں مبتلا ہو گیا تھا، خود اس کے وزیر شرف الدین نے قتل کر دیا، اور اس کے بعد بغداد میں سلجوقی حکومت کا خاتمہ ہو گیا، اس کے جانشین ارسلان شاہ

ابن طغرل (۱۱۶۱ھ تا ۱۱۶۳ھ) کا قصد اس درخواست کے ساتھ

کہ ارسلان شاہ کے نام پر خطبہ پڑھا جائے، بغداد پہنچا مگر بحال دیا گیا، آخری سلجوقی سلطان

یعنی طغرل نے بغداد پر حکومت قائم کرنے کی پھر کوشش کی، مگر اس کوشش نے اس کو خلیفہ

سے جو سب سے زیادہ علی آدمی تھا دست و گریبان کر دیا، اور آخر خلیفہ نے ۱۱۶۹ھ میں طغرل

کا سر اپنے محل کے دروازے پر لٹکا ہوا دیکھ لیا،

بغداد پر فرمانروا رہنے کی اس طویل جنگ میں خلیفہ آخر کامیاب ہوئے، اب

میں خلفاء کی ایک خود مختار ریاست قائم ہو گئی، جہاں ان کو مذہبی اور سیاسی دونوں

اختیار حاصل تھے، یہ مختصر سلطنت ان کے مذہبی اقتدار سے نہیں بلکہ بزورِ شمشیر وجود میں

اس میں شک نہیں کہ عوام کی ہمدردی سلطان سے زیادہ خلیفہ کے ساتھ رہتی تھی

اکثر سپاہی اور ان کے افسر اس لشکر سے مقابل ہوتے جھمکتے تھے، جو بذاتِ خود

کی سرکردگی میں ہوتا تھا، مگر یہ اسباب اتنے قوی نہ تھے کہ نااہل خلفاء کو اپنا اقتدار

قائم کرنے میں کامیاب بنا سکتے، ان کی کامیابی ایک طرف تو ان مسلسل لڑائیوں کی
 رہنمائی منت تھی جو سلجوقیوں میں تاج و تخت کی خاطر جاری رہیں اور دوسری طرف
 اس واقعے کا نتیجہ تھی کہ اسی زمانے میں پے در پے حوصلہ مند اور طاقتور خلفاء مسند خلافت
 پر متمکن رہے،

اس کے برخلاف ایران میں خلیفہ کا سیاسی اثر سلجوقی عہد میں بالکل معدوم ہو گیا،
 خلیفہ نے تمام سیاسی اختیارات سلطان کو تفویض کر دیئے تھے اور سلطان مجاز تھا کہ
 اپنی سلطنت کا جو کچھ چاہے کسی کو سپرد کر دے، لہذا خلیفہ کو ایران کے دوسرے
 والیان حکومت سے کوئی سروکار نہ رہا، پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ ۳۲۲ھ میں طغرل اول نے
 بھائیوں نے خلیفہ کی خدمت میں مراسلت بھیجنے کے بعد ہی اپنی سلطنت باہم تقسیم
 کر ڈالی تھی، تاوردین چغری بیگ کے حصہ میں کرمان کی حکومت آئی، طغرل کو جب
 سلطان تسلیم کر لیا گیا تو کرمانی سلجوق خود مختار ہو گئے، وہ نہ خلیفہ کی پروا کرتے تھے نہ سلجوقی
 سلاطین کی، بلکہ آخر الذکر کے ساتھ وہ اکثر برسرِ پیکار رہتے تھے، ۴۶۵ھ میں قادرو
 نے ملک شاہ کے مقابل میں وراثت کا دعویٰ کیا، اس نے شکست کھائی، گرفتار
 ہوا اور ملک شاہ کے حکم سے زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا، مگر اس کے بعد اس کا
 بیٹا سلطان شاہ جو باپ کے ساتھ ملک شاہ کی قید میں تھا کسی صورت سے فرار ہو کر
 کرمان پہنچ گیا، اور وہاں جا کر ۴۶۷ھ میں ملک کا لقب اختیار کر لیا، اس سے فرما نروانی
 کی سند حاصل کرنے کے لئے سلطان یا خلیفہ کسی سے درخواست کرنے کی زحمت

بھی نہ اٹھائی، ۵۴۹ھ میں ملک شاہ نے کرمان پر چڑھائی کر دی، مگر سلطان شاہ نے جو اس کا بھتیجا تھا، اطاعت قبول کر لی، بڑے تپاک سے خیر مقدم کیا اور بیش بہا تحفے نذرین پیش کئے، لہذا ملک شاہ نے سلطان شاہ کو اس تمام صوبے کا جو اس کے زیر نگین تھا، حاکم مقرر کر دیا، چونکہ کرمانی لوگ کو براہ راست خلیفہ سے کبھی فرمان نہیں ملا اس لئے خلافت سے انھیں کوئی واسطہ نہ رہا،

ان کے ہاں بھی تاج و تخت کی خاطر لڑائیاں ہوئیں جو کبھی شروع ہو جاتی تھیں کبھی بند، مگر ایک دوسرے کے مقابل اپنے دعاوی کو تقویت دینے کے لئے بھی کرمانی شہزادوں نے کبھی خلیفہ سے رجوع نہ کیا، معلوم ہوتا ہے کہ انکی حکومت محض تلوار کے بل پر قائم رہی جب سے فرمان حکومت کی تجدید ہونے کا دستور ختم ہوا، خراسان بھی سیاسی حیثیت سے خلافت سے منقطع ہو گیا، سب کو سند حکومت ملنے کے بعد خلیفہ کی وفات پر بھی کبھی اس کی تجدید نہ کی گئی، معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ یا واپی ملک کی وفات پر ان فرامین کی تجدید اسی حالت میں ضروری سمجھی جاتی تھی جب کہ سلطان خود بغداد پر حکمران ہو، خراسان کا واسطہ خلافت کے ساتھ جو کچھ قائم رہا وہ محض اس وجہ سے کہ خراسان کا فرمانروا خلیفہ کا تسلیم کیا ہو اس لئے تھا اور اس حیثیت سے اس کو مرکزی حکومت سے تعلقات رکھنا پڑتے تھے، تاہم ہمتِ ملکی کے متعلق خلیفہ اور مختلف واپیان ملک کے باہمی رسل و رسائل کا قیام مواد ان حکمرانوں کی خود مختاری کا ثبوت دیتا ہے، ۵۴۹ھ میں جبکہ سلطان اسیر ہا ملک سلیمان شاہ اور محمود خان بن محمد بن غزغان یکے بعد دیگرے اس کے

جانشین ہوئے، لیکن ان میں سے کسی نے خلیفہ سے فرمانِ حکومت کی استدعا نہیں کی،
 ۵۵۵ھ میں سنجہ کے انتقال کے بعد بھی محمود خان نے جو آخر کار سنجہ کی وصیت کے مطابق
 ۶۱۱ھ سلطان قرار دیا گیا، خلیفہ سے تجدیدِ فرمان نہ چاہی، محمود خان کی تخت نشینی اور سلطانی
 صرف ایک وصیت پر مبنی معلوم ہوتی ہے،

ایران میں جو مختلف صوبہ دار تھے ان کا تقرر سلجوقی سلاطین کے حکم سے ہوتا تھا، یہ
 صوبہ دار یا تو نمائشی اطاعت کا اظہار کرتے رہے یا موقع پانے پر آزاد ہو گئے، یہ واقعہ ہے
 کہ ان حکمرانوں کے متعلقہ علاقوں میں خطبہ میں بھی خلیفہ کا نام پڑھا جاتا تھا اور سکون پر بھی
 مضروب ہوتا تھا، مگر یہ اعترافِ اطاعت ایک قدیم دستور کی حیثیت رکھتا تھا، اس کے
 ساتھ نہ تو حکمران صوبہ داروں کی طرف سے وفاداری کا کوئی رسمی اظہار کیا جاتا تھا اور نہ
 خلیفہ کی طرف سے اس کے معاوضہ میں کوئی فرمان یا سند حکومت عنایت ہوتی تھی،
 اس دستور کا باقی رہنا محض ایک شرعی رسم کی حیثیت رکھتا تھا، اور جس کے یہ معنی ہیں کہ
 اس زمانے میں ایران کے حکمران عباسی خلافت کو سیاسی حیثیت سے تسلیم کرنا مذہبی
 حیثیت سے تسلیم کرنے کے مترادف نہ سمجھتے تھے،

حاصل کلام یہ ہے کہ سلجوقی عہد میں جہاں تک عباسی خلافت کا تعلق ہے، دو
 خصوصیات نمایاں نظر آتی ہیں، اول یہ کہ مختلف حکمرانوں کے حق میں سند حکومت کی
 تجدید ہونے کا دستور اس زمانے میں رفتہ رفتہ ختم ہو گیا، اب تجدید کی ضرورت صرف اس
 وقت محسوس کی جاتی تھی جب کہ حکومت ایک خاندان سے نکل کر دوسرے خاندان

میں جاتی تھی، ایک ہی گھرانے کے مختلف افراد کو منتقل ہوتے وقت، جدید سند حکومت
درکار نہ ہوتی تھی، اس طرح خلافت کو ایران سے کوئی سیاسی واسطہ نہ رہا، اور دورِ سابق
میں جتنا اقتدار باقی رہ گیا تھا، وہ بھی ختم ہو گیا،

سجوتی عہد کی دوسری خصوصیت مگر سب سے زیادہ اہم خصوصیت یہ تھی کہ خلافت
کے مذہبی اور دنیوی اختیارات کے درمیان حدِ فاصل قائم ہو گئی، تاریخ میں پہلی مرتبہ
خلیفہ نے بطیبِ خاطر اپنے سیاسی اختیارات سلطان کو تفویض کر دیئے، اور آئندہ سے
خلافت کے سیاسی کاروبار کا اعلیٰ منتظم سلطان سمجھا جانے لگا، سیاسی اختیار سلطان کو
سپرد ہو جانے کا ہی نتیجہ تھا کہ آخری سجوتی سلطان کے اتابک نے کہا کہ "امام کی
حیثیت سے خلیفہ کو نماز اور دینی قیادت سے سروکار رکھنا چاہئے کیونکہ یہی چیزیں ایمان
اور نیکو کاری کی بنیاد ہیں، ان کے علاوہ جہاں تک سیاسی معاملات کا تعلق ہے وہ سب
سلطان کو سپرد کر دینا چاہئیں۔" یہ خیالات مبالغہ پر مبنی نہیں، بلکہ حقیقی صورتِ حال کے منظر
اس کے برخلاف جس وقت کوئی قابل اور طاقتور شخص سرِ خلافت پر پہنچ جاتا تھا تو قریب
طور پر وہ سلطان کی حیثیت کو تسلیم نہ کرتا تھا، بلکہ قدیم اختیارات حاصل کرنے کی کوشش
کرتا تھا، چنانچہ سجوتی عہد میں آخری تین خلفاء کا عمل یہی رہا، لیکن اس سے انکار نہیں
جاسکتا کہ ایک جدید صورت وقوع میں آگئی تھی، اور شرعی فتویٰ جو کسی حد تک حلال
وقت پر مبنی تھا اس پر ہر جواز لگا چکا تھا، سلطان اگر طاقتور ہوتا اور اپنے حقوق طلب
کرنے کی قوت اس میں ہوتی تو خلیفہ کو بجز اس کے چارہ نہ تھا کہ سیاسی اختیار اس سے

سپر دے، پھر سلطان ان اختیارات کو ایک مرتبہ حاصل کرنے کے بعد پورے قانونی
 حق اور تمام اس استحکام کے ساتھ جو ماضی کی نظیر سے حاصل ہوتا ہے، ہمیشہ ان اختیارات
 کا حامل رہ سکتا تھا، اس نظیر ہی کی بنا پر خوارزم شاہی سلاطین نے ان حقوق کا دعویٰ کیا
 جو پہلے سلجوقیوں کو حاصل تھے، اور خلافت سے مسلسل برسرِ پیکار رہے، یہاں تک کہ
 دونوں برباد ہو گئے، اگلے باب میں اس کی تفصیل عرض کی جائے گی،



اٹھواں باب

خلافت کے آخری ایام

خلافت اور خوارزم شاہی

خوارزم شاہی ایران میں عروج کو پہنچے تو ارتقاے سلطنت کی آخری منزل بھی طے ہو گئی، وہ درمیانی قوت جس نے ان کو حکومت بخشی تھی، جب فنا ہو گئی تو انھوں نے خلیفہ سے سند حکومت کی درخواست بھی نہ کی، اس دستور کو شکست کرنے والے

سب سے پہلے خوارزمی ہی ہوئے، اتر کے بیٹے ارسلان نے (۵۵۱ء تا ۵۶۲ء) ۶۱۱۵۶

جو باپ کی جگہ حکمران ہوا، سلطان سمر سے جب کہ وہ (۵۵۱ء تا ۵۶۲ء) ۶۱۱۵۶

سے رہا ہو گیا تھا، فرمان حکومت حاصل کر لیا تھا، سمر (۵۵۲ء تا ۵۶۲ء) ۶۱۱۵۶

بعد ارسلان نے نہ تو خلیفہ سے درخواست کی کہ اس کی حکومت پر قانونی جواز کی

مہر ثبت کرے، اور نہ محمود سے جو عراق میں اس وقت سلجوقیوں کا سرخیل تھا، فرمان

کا خواستگار ہوا، اس بنا پر کہ ارسلان اپنے ملک پر حکمرانی کرنے کی اجازت

سب سے حاصل کر چکا تھا اس کو جائز فرمائو تسلیم کیا جاسکتا ہے، مگر ۵۶۵ھ میں اس کے قوت ہو جانے کے بعد اس کے بیٹے تکش اور سلطان شاہ تخت کے لئے برسرِ پیکار رہے اور انھوں نے خلیفہ کی سند سے اپنے حقوق مستحکم کرنے کا خیال نہ کیا، بجائے خلیفہ کی اخلاقی اور واقعی اعانت حاصل کرنے کے انھوں نے ایک کافر یعنی قرظیہ سے مدد کی درخواست کی، واقعہ یہ ہے کہ اس وقت خلیفہ کی سند بھی کچھ قوت نہ رکھتی تھی، اور حقوق کا تصفیہ صرف تلوار کی دھار سے ہوتا تھا،

اسی طرح غوری جو ایران میں خوارزمیوں کے رقیب تھے اور اس بنا پر خلافت کے ساتھ دوستانہ عمل رکھتے تھے، زمانہ کے ساتھ چلے اور انھوں نے اقتدارِ خلافت کو صرف اس حد تک تسلیم کیا کہ خطبوں میں اور سکون پر خلیفہ کا نام درج کرتے رہے، کوئی تاریخی شہادت نہیں بتاتی کہ انھوں نے سندِ حکومت کی استدعا خلیفہ کے حضور میں کبھی پیش کی اور باوجود اس کے کہ ان کو سلطان کا لقب کبھی نہیں دیا گیا، انھوں نے خود اس خطاب کو اختیار کر لیا، جیسا کہ سکون سے ظاہر ہوتا ہے، یہ تو واقعہ ہے کہ ان کے اور خلیفہ کے درمیان قاصدوں کی آمد و رفت اکثر رہی اور کئی مرتبہ خلیفہ کی طرف سے خلعتِ فاخرہ عنایت ہوئے، مگر خلیفہ کا التفات صرف اس لئے تھا کہ وہ اپنی حیثیت پر قانع تھے اور یہ مطالبہ نہ کرتے تھے کہ بغداد کے خطبوں میں نام لیا گیا جاسے یا سلطانی کا لقب بخش دیا جائے، چنانچہ ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اس وقت ایران میں جتنے حکمران تھے، ان میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جس کو حکومت کا حق خلیفہ کی

طرف سے تفویض کیا گیا ہو، یہاں تک کہ زمانہ کے امتداد سے رفتہ رفتہ سلاطین کو
اپنی حکومت کے جواز اور شرعی اداروں کے حق قیام کے لئے خلیفہ سند فرمان لینے
کا طریقہ ختم ہو گیا،

یہ سلاطین جن کے پاس خلیفہ کی دی ہوئی کوئی سند حکومت نہ تھی، قضاہ اور
دوسرے شرعی اہدہ داروں کا تقرر کرتے تھے، اور ان تمام تقررات کے جائز
یا ناجائز ہونے سے کوئی بحث نہ کرتا تھا، حالانکہ امام غزالی کے اہدین فقہانے اس
پر بہت کچھ جرح و قدح کی تھی، ہم اب بھی دیکھتے ہیں کہ خلفا ان سلاطین کو خلعت
سلطانی سے نوازتے ہیں، مگر سلاطین اس خلعت کی وقعت نہیں کرتے بلکہ بعض
اوقات جب کہ انھیں اپنی مرضی پوری ہوتی نظر نہیں آتی وہ خلعت قبول بھی نہیں
کرتے، اس کے برخلاف کبھی کبھی خلعت ملنے پر بڑی مسرت کا اظہار کیا جاتا ہے، اور
عوام کو دکھایا جاتا ہے کہ خلیفہ نے ان کی حکومت کو تسلیم کر لیا، واقعہ یہ ہے کہ اس وقت
سلاطین خلیفہ سے بے نیاز ہو چکے تھے اور اپنی اپنی قلمرو میں اندر صرف سیاسی اختیاری
نہیں بلکہ مذہبی قیادت کے منصب پر بھی قابض تھے، وہ اس پر بھی قانع نہ تھے، بلکہ بغداد
میں خلافت پر بھی اقتدار قائم کرنے کی کوشش کرتے تھے، مگر اب خلیفہ بھی اپنی کھوئی ہوئی
قوت کسی حد تک پھر حاصل کر چکے تھے، اور صرف یہی نہیں کہ وہ سلاطین کے مطالبے
قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے، بلکہ اپنی حکومت کے حدود ہر ممکن صورت سے وسیع
کرنے کی کوشش کر رہے تھے، اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلیفہ اور سلطان کے درمیان قیام شروع ہو گیا

خلیفہ ناصر جب تکش کی مدد سے آخری سلجوقی سلطان کا قصہ پاک کر چکا تو اس
 کو محسوس ہوا کہ تکش سلجوقیوں کے زوال پذیر خاندان سے کہیں زیادہ خطرناک حربہ
 ثابت ہوگا، اب اسکو معلوم ہوا کہ عراق عجم پر قبضہ پانے میں سخت مزاحمت کی جائے گی
 طغرل کو شکست دے کر تکش نے ہمدان پر متصرف ہونے کی کوشش کی، خلیفہ کو اطلاع
 ہوئی تو وزیر کو خلعتِ سلطانی اور بیش قیمت تحائف لے کر روانہ کیا اور یہ ہدایت کر دی
 کہ تکش سے سمجھوتہ کر لیا جائے، ممکن تھا کہ سلطان اور خلیفہ کے باہم تصفیہ ہو جاتا، لیکن
 وزیر نے اپنے شرائط کچھ ایسے پر سخت الفاظ میں پیش کئے کہ سلطان قبول نہ کر سکا، وزیر
 کا مطالبہ تھا کہ سلطان کو خلیفہ سے ملاقات کرنے کے لئے گھوڑے سے اتر کر خود پیشقدمی
 کرنا چاہئے اس لئے کہ سلطان کا تاج و تخت دیوان عالی یعنی حکومت بغداد کا عطیہ
 ہے، ان دعاوی کو حیلہ جوئی پر محمول کیا گیا اور سختی کے ساتھ ٹھکرا دیا گیا، اور اگر وزیر عجلت
 کے ساتھ واپس نہ ہو جاتا تو اس موقع پر جنگ کی نوبت آجاتی، نو مفتوحہ ممالک کی حکومت
 مختلف شخصوں کو سپرد کر دینے کے بعد تکش خوارزم کی طرف مراجعت کر گیا، لیکن وزیر
 کے غیر مصالحانہ طرز عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلیفہ اور سلطان کے باہم بہت جلد
 چھٹ گئی، ۵۹۱ھ میں وزیر نے جو برابر حدودِ خلافت کو وسعت دیتا رہا تھا، ہمدانی کو فتح کر لیا
 تکش کے مسئلہ قاصد کو اس نے بے رخی کے ساتھ واپس کر دیا، کیونکہ وہ کسی مصالحت
 کے لئے تیار نہ تھا، تا وقتیکہ کل عراق عجم حوالہ نہ کر دیا جاتا، مجبوراً سلطان کو خلیفہ کی سپاہ سے
 نبرد آزما ہونا پڑا، خلیفہ کا لشکر منتشر ہو گیا، اور سلطان نے پھر ہمدان پر قبضہ کر لیا، وزیر اس

اثناء میں انتقال کر چکا تھا، جوشِ نفرت میں اس کی نعشِ قبر سے اکھاڑ ڈالی گئی، اور سر کا ٹکڑا
 خوارزم بھیج دیا گیا، سلطان ابھی ہمدان ہی میں مقیم تھا کہ شافعی فقیہ مجیر الدین ابوالقاسم محمود
 ابن المبارک البغدادی خلیفہ کی طرف سے پیغام لے کر بھیجے گئے، کہ باپ دادا کی سلطنت
 پر قانع رہے، اور جدید فتوحات سے دست بردار ہو جائے، ورنہ اس کے اخراج کی
 کارروائی شروع کی جائے گی، سلطان نے خلیفہ کے مطالبہ کا جواب یہ دیا کہ خوزستان
 کے صوبے کا مزید مطالبہ شروع کر دیا، قاصد مایوس ہو کر واپس آیا، مگر سردست حالات
 اپنی جگہ برقرار رہے، ۵۹۴ھ میں تکش نے آخر خلیفہ سے باقاعدہ درخواست کی کہ اسکو
 سلطانی کا منصب عنایت کیا جائے، اور بغداد کے خطبوں میں اس کا نام داخل ہو۔
 یہ مطالبہ بغداد کی حکومت مانگنے کے ہم معنی تو نہ تھا مگر اس میں شک نہیں کہ حکومت کا
 پیش خیمہ ضرور تھا، خلیفہ اپنے آپا کے تلخ تجربات دیکھنے کے بعد سلطانی کا منصب از سر نو
 زندہ کرنے کو تیار نہ تھا، چنانچہ بغداد پر تسلط ہو جانے کا خطرہ دور کرنے کے لئے اس
 غوریوں کو ترغیب دی کہ خوارزم شاہ سے جنگ کر کے اس کے مقبوضات چھین
 لیں، قرظیہ کو جو تکش کے حلیف تھے غوریوں کے ہاتھوں شکستِ فاش نصیب
 نہ ہوتی تو تکش خلیفہ سے صلح کرنے کو بھی آمادہ نہ ہوتا، آخر نتیجہ یہ ہوا کہ خلیفہ اور سلطان
 مابین سمجھوتہ ہو گیا، ۵۹۵ھ میں تکش اور اس کے بیٹے قطب الدین محمد کو خلافتِ سلطانی
 خلیفہ نے عنایت فرمایا، اس صورت سے براے چندے اس مطالبہ کو رد کرنے
 خلیفہ کامیاب ہو گیا، مگر تکش کے بیٹے محمد نے کچھ عرصہ کے بعد اس سوال کو اور بھی

شدت کے ساتھ دہرا دیا،

محمد جس وقت رقیبوں سے نجات پاچکا، اور مشرق کے مسلم حکمرانوں میں ایک
 نمایان حیثیت کا مالک ہو گیا، وہ ایک عالمگیر سلطنت کا خواب دیکھنے لگا، اور
 سکندر ثانی کا لقب اور سلطان سنجہ کا نام اختیار کر لیا، اس کی مرہ پر "طل اللہ فی الارض" کے
 الفاظ اس سے پہلے ہی کندہ ہو چکے تھے، اب اس نے خلافت کی طرف توجہ سرور
 کی تاکہ خود بغداد پر بحیثیت سلطان کے حقوق قائم کر سکے، اگرچہ خوارزم شاہ کو خلیفہ سے
 بہت ہی شکایات تھیں، لیکن اس امر میں شبہ کی گنجائش نہیں کہ خلافت سے شہسوار
 ہونے کا اصل سبب صرف یہ خواہش تھی کہ بغداد میں وہی اقتدار حاصل کر لے جو اس
 پہلے سلجوقیوں کو نصیب تھا، وہ خود کو آل بویہ سے برتر اور سلجوقیوں کا ہم مرتبہ جان
 کرتا تھا اور اس لئے خلیفہ کی قلمرو میں وہی اختیارات لینا چاہتا تھا، جو ان دو خاندانوں
 کا حصہ رہ چکے تھے، محمد نے تدبیر سے اپنا مقصد پورا کرنا چاہا، اور قاضی مجیر الدین بن
 عمر بن سعد کو خلیفہ کی خدمت میں یہ استدعا لے کر روانہ کیا کہ اس کا نام بغداد کے خطیبوں
 میں شامل کر دیا جائے، کسی حد تک محمد کا یہ مطالبہ حق بجانب تھا، کیونکہ سلطان سنجر
 پہلے مثال قائم کر گیا تھا، مگر وہ یہ بھی خوب جانتا تھا کہ اس درخواست کو اسی طرح
 رد کر دیا جائے گا، جس طرح اس کے باپ کی خواہش کو ٹھکرا دیا گیا تھا، جیسی کہ توقع تھی
 خلیفہ نے قاضی کے دلائل پر التفات نہ کیا اور اس کو بتایا کہ جب خلیفہ نے مجبور
 ہو کر طغرل بیگ سلجوقی کو یہ امتیاز عنایت کیا تھا تو صورت حال کیا تھی، خود خلیفہ

نے شیخ شہاب الدین کو خوارزم شاہ کی خدمت میں اس غرض سے بھیجا کہ اس مطالبہ
 پر اصرار نہ کیا جائے، خلیفہ کے سفیر کو بجا اعزاز کے ساتھ لیا گیا اور جب اس نے
 ایک حدیث اس مضمون کی سنائی کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مومنین کو خاندان
 عباسیہ کو نقصان پہنچانے سے منع فرمایا ہے تو سلطان ادب سے دوزانو ہو کر بیٹھ گیا اور
 جواب میں کہا کہ اگرچہ میں ترکی نسل ہوں اور عربی زبان بہت کم جانتا ہوں تاہم اپنی
 حدیث کا مفہوم میری سمجھ میں آ گیا، میں نے بنو عباس کے کسی فرد کو نہ ضرر پہنچایا ہے نہ
 اس کے ساتھ برائی کرنے کی کوشش کی ہے، اس کے برخلاف میں سنتا ہوں کہ بنو عباس
 کی خاصی تعداد امیر المومنین کے قید خانوں میں مجبوس رہتی ہے، اگر شیخ اس حدیث
 کو امیر المومنین کے سامنے پڑھتا تو زیادہ مناسب اور مفید ہوتا، شیخ نے خلیفہ کے
 طرز عمل کو یہ کہہ کر ثابت کرنا چاہا کہ افراد کو کل ملت اسلامیہ کا مفاد مد نظر رکھتے ہوئے
 مجبوس کیا جاتا تھا، مگر سفارت کا مقصد ناکام رہا، اور خلیفہ اور سلطان کی عداوت
 اور زیادہ ہو گئی، جوینی کے بقول سلطان اس الزام سے بچنا چاہتا تھا کہ اس نے
 امام کے خلاف جس کی اطاعت اسلام کے ارکان میں شامل ہے تلوار اٹھائی ہے،
 لہذا وہ خطبہ کے سوال سے زیادہ معقول جیلہ جنگ ڈھونڈنا چاہتا تھا، خلیفہ ناصر کے
 بے اصول طرز عمل سے جو سلطان کے ساتھ اختیار کیا گیا، یہ دیرنیہ آرزو پوری کرنے
 کا موقع مل گیا، خوارزمیوں کی مذہب پرستی دیکھتے ہوئے خلیفہ ہمیشہ ان کو اپنا قریب
 تصور کرتا تھا اور غوریہ کو ان کے خلاف بھڑکاتا رہتا تھا، حتیٰ کہ قرآنِ خطیبہ سے ساز

کرنے کا ارادہ رکھتا تھا، خلیفہ کی بد قسمتی سے خوارزم شاہ جب ۶۱۲ھ میں ہرات میں
 داخل ہوا تو یہ تمام مکتوب اس کے ہاتھ لگ گئے، ان تحریروں کو محمد نے عام کر دیا اور
 ساتھ ہی ساتھ یہ راز بھی افشا کر دیا، کہ غلش کا قتل جو محمد کی طرف سے عراق کا حکم
 اور اس وقت امیر مکہ تھا، کیونکر خلیفہ کی غدارانہ ترغیب سے عمل میں آیا تھا، اس طرح اپنی
 مملکت کے علماء سے فتویٰ حاصل کرنے میں وہ کامیاب ہو گیا کہ وہ امام جویری ناستی
 اور ناپسندیدہ افعال کا مرتکب ہوا ہے مسد امامت کے لائق نہیں ہے، اور وہ سلطان
 جو اسلام کا حامی ہو اور دین کی خاطر جنگ کرنے میں اپنی زندگی گزار رہا ہو حق رکھتا
 کہ ایسے امام کو معزول کر کے دوسرے کو نصب کر دے، علاوہ اذین اس فتوے نے
 یہ بھی اعلان کر دیا کہ عباسیوں نے خلافت پر غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا، اور اس کے جائز
 حقدار فرزندان علی تھے، اس فتوے کی بنا پر سلطان نے خلیفہ ناصر کی معزولی کا اعلان
 کر دیا، سکھ اور خطبہ سے اس کا نام خارج کر دیا، اور سید علاء الملک ترمذی کی خلافت
 کا اعلان کر دیا، یہ انتہائی کارروائی عمل میں لانے کے لئے تیار ہو کر ۶۱۲ھ میں خوارزم
 شاہ بغداد پر حملہ آور ہوا، سلطان کی بد قسمتی سے وہ لشکر جو خود سلطان کی سرکردگی میں
 ہمدان سے بغداد جا رہا تھا، کردستان کے پہاڑوں میں برف باری کا شکار ہو کر برباد
 ہو گیا، جو بچے تھے ان کو کر دیوں نے فنا کر دیا، چنانچہ وہ تعداد جو خوارزم واپس پہنچی بہت
 ہی مختصر تھی، اس شکست نے محمد کا وقار برباد کر دیا، خصوصاً اس سبب سے کہ اس کی تباہی
 کو ایک سزا سمجھا گیا جو خدا کی طرف سے اس معصیت کا رہم کے عوض دی گئی تھی،

نسوی کے بقول اس ناکامی کے بعد محمد نے پشیمانی کا اظہار کیا اور حکومت بغداد سے مصالحت
 کر لینے کی کوشش شروع کر دی، مگر ابن امیر کہتا ہے کہ اس نے خلافت کے ساتھ اپنا نزاع
 قائم رکھا، اور جس وقت وہ ایک متوقعہ حملہ روکنے کے لئے خوارزمیہ کو واپس آ رہا تھا، تو
 اثنائے راہ میں اس نے یہ مشہور کیا کہ خلیفہ کی وفات ہو گئی اور مختلف مقامات پر خطبوں
 میں سے اس کا نام خارج کر دیا۔

محمد کی یہ کارروائی وہ منزل تھی جب کہ سلاطین کا ادعاے سیادت اور خلیفہ
 کو بندہ فرمان بنالینے کی کوشش اپنی انتہائی حد تک پہنچ گئی، خوارزم شاہ کا اس مقصد
 میں ناکام رہنا متعدد اسباب کا نتیجہ تھا، سب سے زیادہ ہلکا اور غیر دانشمندانہ غلطی جو
 اس سے سرزد ہوئی یہ تھی کہ ایک شیعہ مذہب کی امامت کا اعلان کر دیا، جس کا نتیجہ
 یہ ہوا کہ صرف عباسی خاندان ہی نہیں بلکہ تمام سنی جماعت دشمن ہو گئی، اس صورت
 میں اگر بعض مقامات پر خلیفہ کا نام خطبوں سے خارج کر دینے میں اس کو کامیابی نہ ہو
 تو کوئی تعجب کی بات نہیں، بغداد پر اس کو تسلط حاصل ہوتا تو ممکن تھا کہ خلیفہ سے خاطر
 شرائط قبول کرا لیے جاتے یہ حال نہ ہو سکا تھا تو دوسرا چارہ کار یہ تھا کہ عباسی خاندان ہی کے
 کسی فرد کو مسند خلافت پر متمکن کر دیتا، ان کے علاوہ منگولی حملے کے خوف نے اسکو
 اپنے ارادوں کو عملی صورت دینے کا موقع نہ دیا، بہر حال اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا
 کہ خوارزم شاہ نے یہ طرز عمل اختیار کر کے خلافت پر اس حق کو بلا اعلان جتنا چاہا جو
 سلجوقیوں نے اپنے عہد میں درپردہ بہ طرز احسن استعمال کیا تھا، اب صورت حال اس

حد کو پہنچ گئی تھی کہ خلیفہ اگر سلطان کا نام بغداد کے خطیبہ میں شامل نہ کرتا تو سلطان اپنے ممالک میں خلیفہ کا نام خطیبہ سے خارج کر کے انتقام لے سکتا تھا، مزید پران خلیفہ میں یہ طاقت نہ تھی کہ سلطان کو اس کے منصب سے معزول کر سکتا، مگر سلطان علماء سے قوتی لے کر خلیفہ کے عزل پر قدرت رکھتا تھا،

یا این ہمہ عباسی خلافت جب تک قائم رہی سلاطین کی راہ میں ایک چیز اور حال تھی اور وہ اسے عامہ کی قوت تھی اب بھی خلافت کا شرعی ادارہ کس قدر متبرک و متبرک سمجھا جاتا تھا اس کا اندازہ ابن اثیر اور اصفہانی جیسے معاصر مصنفین کا لب و لہجہ دیکھ کر ہو سکتا ہے، مثلاً خاندان عباسیہ کی رفعت و منزلت کا ذکر کرتے ہوئے ابن اثیر یہاں تک کہتا ہے کہ جس کسی نے خلیفہ کو نقصان پہنچانا چاہا، اس نے اپنے نام محمود افعا یا ارادون کی سزا ضرور پائی۔ وہ مصنفین بھی جو سلاطین کے درباروں میں لازم تھے خلا کے وجود سے چشم پوشی نہ کر سکتے تھے، بلکہ اس کی ضرورت کو تسلیم کرتے تھے، البتہ ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ خلافت ہی کے نظام میں سلاطین کے لئے جگہ پیدا کر لی جائے جو جا بجا خلافت کے مقبوضات پر متصرف ہو گئے تھے، نظامی عرونی جو بارہویں صدی میں گذرا ہے، خلافت اور سلطنت کو جدا جدا حیثیت دیتا ہے، اور حالات وقت کے مساعد نظر یہ اختراع کر لیتا ہے، وہ کہتا ہے، "جب تک کہ ایسا انسان رہی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، زندہ رہتا ہے وہ فرشتوں کی وساطت سے اللہ عزوجل کے احکام پا کر قوم کو ایسی ہدایتیں دیتا رہتا ہے جو دنیا اور عقبی کی فلاح کا باعث ہوتی ہیں"

مگر جب رحلت کا وقت آجاتا ہے اور وہ دوسری دنیا کو تشریف لے جاتا ہے، تو وہ اپنا قائم مقام ایک قانون چھوڑ جاتا ہے جو الہاماتِ خداوندی اور خود اس کے اقوال پر مبنی ہوتا ہے، قانون اور اتباعِ قانون کو قائم رکھنے کے لئے یقیناً ایک نائب کی ضرورت ہوتی ہے جو قوم کا بہترین فرد اور اس عہد کا اکمل نمونہ ہونا چاہئے تاکہ وہ قانون کو قائم اور نافذ رکھ سکے، یہ نائب امام کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، مگر تنہا امام اقصائے مشرق و مغرب تک نہیں پہنچ سکتا، یہ ممکن نہیں کہ دور و نزدیک اس کا فیضانِ توجہ یکساں شاملِ حال رہ سکے اور عاقل و جاہل سب تک اس کے اوامرِ نواہی پہنچتے رہیں، لہذا اس کو نائبین کی ضرورت ہے جو دنیا کے بعید مقامات پر اس کے قائم مقام ہو سکیں، لیکن ان میں ہر ایک ایسا صاحبِ قوت نہیں ہو سکتا کہ تمام مخلوق اس کی اطاعت پر مجبور ہو، چنانچہ ضروری ہے کہ ایک صاحبِ جبروت ناظم بھی ہو یہ ناظم سلطان کہلاتا ہے جس کے فرائض میں ایک طرف سیاست داخل ہے تو دوسری طرف امام کی نیابت، چنانچہ سلطان امام کا نائب ہے، امام رسول کا اور رسول خدا سے تعالیٰ کا، اس نظریے کے بموجب سلطان کو جائز نہیں کہ خلیفہ کو سیاسی اختیار سے بالخصوص اس حالت میں کہ خلیفہ سلطان کی مثل اپنی مملکت کا نظم و نسق کر سکتا ہو محروم کر دے، اگر کوئی سلطان یہ کوشش کرتا تو علماء اور جمہور کی ہمدردی سے ہاتھ دھولیتا اور دوسرے مسلم حکمران اس سے خلافت ہو جاتے، چنانچہ خواریزمی سلاطین کو اس کوشش میں کہ سلطان کا تفویض قائم کر دین، کسی طرف سے امداد کی امید

نہ ہو سکتی تھی، اس پر مستزاد یہ کہ ان کو غوریہ کے خلاف جن کو خلیفہ سہارا دے رہا تھا
 قراخطائیہ یعنی کفار کے ساتھ ساز کئے رہنے کی ضرورت تھی، خوارزمی خاندان کے
 متعلق خلیفہ کی عداوت اور قراخطائیہ کی شرمناک دوستی نے جو جذبات پیدا کر دیے
 تھے ان کا اظہار مولانا ظہیر الدین فاریابی نے سلطان تکش کو مخاطب کر کے ان پر زور دیا
 الفاظ میں کیا ہے،

شاہ عجم چو گشت مسلم ز تیغ تو	شکر بسوے خواگہ مصطفیٰ فرست
پس کعبہ را خراب کن تا و دان بیر	خاک حرم چو ذرہ بسوے ہوا فرست
در کعبہ جامہ چہ کند در خسترا نہ	وز بہر روضہ دوسہ صفت بوریافرست
اہل ورع بہ آتش ظلم و جفا بسوز	واصحاب کہف را بسوے وار وافرست
تا کہ فر تمام شوی سوے کرخ تا	وانگہ سہر خلیفہ بسوے خطا فرست

خوارزمیوں سے لوگوں کو اس درجہ نفرت تھی کہ انھیں قراخطائیہ کی حکومت
 گوارا تھی، ابن اثیر کا بیان ہے کہ ۵۹۴ھ میں جب تکش بخارا کے محاصرے میں مصروف
 تھا تو ہالیان شہر نے قراخطائیہ کا ساتھ دیا اور سخت مقابلہ کیا، سلطان کے ساتھ نفرت
 کا اظہار اس طرح کیا گیا کہ ایک کانے کتے کو خفتان پہنا کر اور سر پر اونچی سی کلاہ
 رکھ کر دیوار پر بٹھا دیا گیا، اور اس کو تکش کے نام سے منسوب کیا گیا، تکش ایک چشم
 تھا، اس کے بعد کتے کو سلطان کے لشکر میں یہ کھکر پھینک دیا کہ یہ لو تمہارا سلطان

لے از مخطوطہ کلیات ظہیر فاریابی ملو کہ لٹن لائبریری علی گڑھ، ص ۱۰۰

یہ ہے ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ بعض صوبوں کے باشندوں نے خلیفہ ناصر سے
اپنی طرف سے کسی حاکم کو نامزد کر دینے کی درخواست کی، علاوہ اس کے تکش کی
موت کے بعد (۱۱۹۹ھ) بہدان کے لوگوں کا تمام خوارزمی سپاہ کو مار ڈالنا اس
نفرت کا کافی ثبوت ہے، جو خوارزمی خاندان کے ساتھ پھیلی ہوئی تھی،
بغداد کی نعم سے واپس آکر سلطان محمد کی مخالفت حد کو پہنچ گئی، ایک طرف
تو صاحب سیف طبقہ اس کی مان ترکان خاتون کی سرکردگی میں مخصوص وجوہ کی
بنا پر علانیہ سلطان کے خلاف ہو گیا، دوسری طرف علماء کو یہ صدمہ نہ بھولتا تھا
کہ خلیفہ کو معزول کرنے کے لئے زبردستی ان سے فتویٰ لکھایا گیا تھا، چنگیز خان سے
سلطان کا برسریچا رہونا بھی جہاد کی حیثیت سے نہ دیکھا جاتا تھا، کیونکہ جو واقعہ اس جنگ
کا باعث ہوا تھا وہ یہ تھا کہ سلطان کے ایک صوبہ دار نے ایک قافلے کو تیر تیغ کر دیا
تھا اور اس قافلے میں تمام مسافر مسلمان تھے، اس بے اصول اور غدارانہ طرز عمل کی پاداش
صرف تکش ہی کو نہ بھگتنا پڑی، بلکہ اس کا بہادر بیٹا جلال الدین جو یقیناً بہتر انجام کا مستحق
تھا اسی کی بدولت مصیبت کا شکار ہوا، جلال کو اس کے باپ کی طرح خلیفہ مسلم
رعایا اور مسلم فرمانروا دشمن کی نظر سے دیکھتے تھے، جس وقت منگولوں کے تعاقب سے
پریشان ہو کر جلال ۱۲۲۱ھ میں نیشاپور سے زوزان پہنچا اور چاہا کہ وہاں قلعہ بند ہو جا
تو اہل شہر کے معاندانہ طرز عمل نے شہر چھوڑنے پر مجبور کر دیا، جس وقت وہ منگولوں کے
خلاف کمک حاصل کرنے کے لئے خلیفہ کے پاس پہنچا تو صرف یہی نہیں کہ مدد نہ ملی بلکہ

خلیفہ کی سپاہ کا مقابلہ کرنا پڑا جو اس کو ملک سے باہر نکال دینے کے لئے روانہ کی گئی تھی
 بہر حال ناصر کی وفات کے بعد ^{۶۳۳ھ} _{۱۲۲۶ء} میں خلیفہ سے اس کی مصالحت ان شرائط
 پر ہو گئی کہ بعض حکمرانوں کو خلیفہ کا باج گزار سمجھا جائے گا اور سلطان ان سے کسی قسم کی
 اطاعت اور ماتحتی کا مطالبہ نہ کرے گا، یہ بھی قرار پایا کہ فارس کے جن ممالک میں اسکے
 باپ نے خلیفہ کا نام خطبے سے خارج کر دیا تھا وہاں دوبارہ داخل کر دیا جائے گا، خلیفہ
 کی طرف سے فارس کے لئے جلال الدین کے نام حکومت کی سند لکھ دی گئی، اور کچھ
 بیش قیمت تحفے اس کے ساتھ روانہ کئے گئے، جلال کو "خاقان" اور شہنشاہ کے انفا
 سے یاد کیا گیا، مگر سلطان کا لقب نہ دیا گیا، اس کے بعد مراسلات میں وہ خود کو ^{خلیفہ}
 کا خادم اور خلیفہ کو اپنا آقا اور والی لکھنے لگا، یہ صلح جب ہوئی کہ وقت نکل چکا تھا
 اور سلطان کو اس سے کوئی فائدہ نہ پہنچا، چنانچہ جس وقت منگولوں کے حملے شروع
 ہوئے تو دوسرے مسلم حکمرانوں نے امداد نہ کی اور خلیفہ میں اتنی قدرت نہ تھی ^{۶۲۷ھ} _{۱۲۲۹ء}
 ۶۲۵ھ میں اس نے آخری کوشش کی کہ روم و شام کے مسلم بادشاہوں کو مشترک دشمن
 کے مقابلے کے لئے متحد کر دیا جائے، لیکن مسلم تاجداروں کے حسد اور بے اعتمادی نے
 یہ اتحاد قائم نہ ہونے دیا، آخر کار ^{۶۲۸ھ} _{۱۲۳۱ء} میں منگولوں سے بھاگتا ہوا، یہ بہادر سلطان
 کردستان میں قتل کر دیا گیا، اس طرح خوارزمیوں کی حکومت جو سلجوقیوں کے اگے ^{شکست}
 پرستل تھی ختم ہو گئی،

بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ خلافت اور سلطنت کی اس جنگ میں خلیفہ کامیاب اور

فاتح رہا، لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ واقعہ ہے کہ اس زمانے میں ایرانی حکمرانوں پر خلیفہ کا تمام اقتدار ختم ہو گیا، یہ سچ ہے کہ اس وقت خلافت کی قلم و رقبہ کے لحاظ سے پہلے سے زیادہ وسیع تھی، لیکن اس واقعہ سے ہمیں یہ دھوکا نہ ہونا چاہئے کہ ان کی کھوئی ہوئی عظمت واپس آگئی تھی، ان مقبوضات پر ان کا تسلط دنیوی حکمرانوں کی حیثیت سے قائم تھا نہ کہ مذہبی قیادت کے سبب، واقعہ یہ ہے کہ خلافت کی شرعی حیثیت اور واقعات کی اصلی صورت دونوں ایک دوسرے سے ہمیشہ مختلف رہی ہیں، انتخاب کے مسئلے اور مذہبی سیادت نے اس حقیقت پر پردہ ڈال رکھا تھا کہ قدیم خلافت اب ایک سیاسی حکومت بن گئی تھی جو تلوار کی قوت سے قائم تھی، قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ قوی تر حکومتوں نے سیاسی اختیارات جو سابق میں خلیفہ کو حاصل تھے غصب کر لئے، لیکن افسانہ کہن ابھی تک دہرایا جا رہا تھا، تاکہ ماضی سے رشتہ ارتباط ایک لخت قطع نہ ہو جائے، اور قدامت پرست قلوب وہ صدمہ نہ محسوس کریں جو ہر بدعت کے ساتھ ملزوم ہوتا ہے، چنانچہ واقعی اختیار اور حکومت تو خلیفہ کے ہاتھ سے نکل گئے تھے، لیکن محض رسمی طور پر اس کے لوازم خسروی ابھی تک برقرار رہے، ہر نئے حکمران کو خلیفہ کی طرف سے سند حکومت عنایت ہوتی تھی، اس کا نام سکون پر تحریر ہوتا تھا، اور خطبوں میں **پیشوا** یا **بابا** زمانہ جتنا گذرتا گیا فرمانِ خلافت کی تجدید صرف اس وقت ضروری سمجھی جانے لگی جب کہ حکومت کسی نئے خاندان میں پہنچتی تھی، کچھ عرصے کے بعد اس کی بھی حاجت ختم ہو گئی، اور خلیفہ کی طرف سے خلعتِ سلطانی

عطا ہونا یا کسی اور صورت سے امیر تسلیم کر لیا جانا کافی سمجھا جانے لگا، یہ آخری صورت
خوارزم شاہ کے عہد میں ظہور میں آئی،

نظام الملک درباری ہے اور درباری کی حیثیت سے سلطنت
کے وجود کو جائز ٹھہراتا ہے، غزالی اس کے برخلاف اُسے ناگزیر
سمجھ کر روار کھتے ہیں، اس لئے ہم اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ ختم ہونے سے پہلے
خلافت ایران کی سیاسی قوت پر اپنا اقتدار کھوپکی تھی، منگولوں کے ہاتھ سے جب
خلافت کا خاتمہ ہوا تو خلافت صرف ایک سیمیائی وجود تھی، اگرچہ مسلم رعایا کے نازک
جذبات کی تسلی کے لئے خطبہ اور سکے میں خلیفہ کا نام ابھی تک داخل تھا، جن سیاسی
اسباب نے مسلم منگول حکمرانوں کو اس امر پر مجبور کر دیا کہ مردہ خلافت کو یہ حق بھی نہ
دیا جائے ان کا مطالعہ دیکھنا ضرور ہوگا، لیکن اس کے لئے ایک جدتالیف کی
ضرورت ہے،

